اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور

آزادیٔ اظہار

مع بہائی کمیونٹی

ابو الامتیاز ع، س مسلم

مجلس نشریات اسلام

۱، کے ۳، ناظم آباد مینشن، ناظم آباد-1، کراچی ۷۴۶۰۰

اہانتِ رسول ﷺ

اور

آزادیٔ اظہار

مع بہائی کمیونٹی

ابوالامتیاز ع،س مسلم

اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اور

آزادیٔ اظہار

مع بہائی کمیونٹی

ابوالامتیاز ع، س مسلم

مجلس نشریاتِ اسلام
۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

مصنف کی طرف سے

اس کتاب کے مندرجات سے استفادے کی عام اجازت ہے

نام کتاب ــــــــ اہانت رسولؐ اور آزادیٔ اظہار

تصنیف ــــــــ ابوالامتیاز ع۔س مسلم

طباعت ــــــــ شکیل پرنٹنگ پریس کراچی

اشاعت ــــــــ ۲۰۰۰ء

ضخامت ــــــــ ۱۷۶ صفحات

ٹیلیفون

۶۲۱۸۱۷

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام ۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی ۔۱۸

فہرست

پیش لفظ ابوالامتیاز ع س مسلم ۹

تعارف (مولانا) وصی مظہر ندوی ۱۵

مقدمہ ڈاکٹر (مولانا) عبداللہ عباس ندوی ۱۷

ایم۔ ایچ۔ کے کا پہلا خط۔ ۱۱ مئی ۱۹۹۸ء

نبیؐ کی اطاعت لازم نہیں ۲۳

جواب مصنف، ۲۰ ا جون ۱۹۹۸ء

اہانتِ رسولؐ، عیسائی اور پاکستان ۲۷

ا۔ بشپ جان کی خودکشی ۲۷

۲۔ ایک "لڑکے" کی قانونِ اہانتِ رسولؐ کے تحت سزایابی ۲۹

۳۔ ایک انسان کا قتل جمیع نوعِ انسانی کے قتل کے مترادف ہے ۳۰

۴۔ ایک اور عیسائی "شہید لڑکا"! ۳۲

۵۔ ایسے قتل کے بارے میں قرآن کا فرمان ۳۴

۶۔ چند حقائق ۳۵

۷۔ قرآن بمقابلہ حدیث ۳۸

۸۔ احادیث کا پس منظر اور ان کی ہمہ گیری ۴۱

۹۔ اطاعتِ رسولؐ ۴۴

۱۰۔ کچھ اور اسناد ۴۸

۱۱۔ حاصلِ بحث ۵۶

۱۲۔ قانونِ اہانت (رسولؐ) ۵۹

۱۳۔ اہانتِ رسولؐ، اقبال، قائداعظم اور امتِ مسلمہ ۶۱

۱۴۔ غازی علم الدین شہید ۶۷

۱۵۔ غازی عبدالقیوم شہید ۶۸
۱۶۔ اہانت رسول کے قانون کا تاریخی جائزہ ۷۰
۱۷۔ امتیازی سلوک کہاں ہے؟ ۷۴
۱۸۔ قانون اہانت رسولؐ کی ضرورت ۷۶
۱۹۔ ایک "ناقص" قانون - کیا یہ ختم کر دیا جائے ۷۷
۲۰۔ حاصل مقصد ۷۸

ایم۔ ایچ۔ کے کا دوسرا خط، ۲۵ مئی ۱۹۹۸ء

معصوم آدمی / شیعہ اذان ۸۰
معصوم تسلیمہ نسرین ۸۱
"رنگیلا رسول" اور ماریہ قبطیہؓ ۸۲
حدیث کے صنم ۸۳

ایم۔ ایچ کے۔ کا تیسرا خط، ۳ جون، ۱۹۹۸ء

لونڈیوں کا حرم ۸۵

ابوالامتیاز، ع۔ س۔ مسلم کا دوسرا خط، ۹ جون۔ ۱۹۹۸ء

۱۔ فساد اور تعزیرات اسلام ۸۷
۲۔ "مجنون" ۹۱
۳۔ برقی رو والی کرسی یا انجکشن ۹۴
۴۔ ایک "معصوم" فلکار ۹۴
۵۔ "قرآن میں ضرورت ترمیم؟ ۹۵
۶۔ شیعہ مساجد کی اذانیں ۹۶
۷۔ ضرورت سے فاضل مال کی خیرات ۹۷
۸۔ حلالہ وغیرہ ۹۸
۹۔ ہو آگہی تو چاک گریباں کرے کوئی ۱۰۰
۱۰۔ ضرورت تجدید ایمان ۱۰۵

اختتام سلسلۂ خط و کتابت

قرآن میں تعظیم و تکریم رسولؐ ۱۰۸
نبیؐ کی ذات کو ایذا رسانی ۱۱۹
تضحیکِ رسولؐ کفر ہے ۱۲۴
اہانتِ رسول کی سزا۔ قتل ۱۲۵
زمانۂ رسالت میں سزائے اہانت کا نفاذ ۱۲۷
سزائے اہانت پر اجماعِ امت ۱۲۸

بہائی کمیونٹی

حرف توجیہ ۱۳۳
علی محمد باب ۱۳۵
حسین علی بہاء اللہ ۱۴۰
چند اتفاقات ۱۴۵
بہائی مراسلہ ۱۴۷

بہائی کمیونٹی کی خدمت میں

ترکِ تقلید ۱۵۱
"بے دینی بہتر ہے!" ۱۵۳
دین عقل کے مطابق ہونا چاہئے ۱۵۵
کیا حمیتِ دین تعصّب ہے؟ ۱۵۷
مساواتِ مرد و زن ۱۵۹
تعلیم ہر مرد و عورت پر فرض ہے ۱۶۲
دنیا بھر میں ایک زبان ۱۶۳
ایک عالمی حکومت ۱۶۸
سیاسی منشور ۱۷۰
ہدایت کے لئے خدا کی محتاجی ۱۷۱
کتابیات / حوالے ۱۷۳

کارواں کو اب کسی مشعل کی بھی حاجت نہیں
منزلوں پر پڑ رہی ہے راہبر کی روشنی

ہے اُسی کا فیض جو ہر ایک فانوسِ خیال
اُس کے لب سے پھوٹتی ہے ہر سحر کی روشنی

ابوالامتیاز ع س مسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ۔ - (۳ - آل عمران - ۳۱) - "آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میرا اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا اور (اپنی رحمت سے) تمہارے گناہ بخش دے گا"۔

گویا اللہ کی محبت اور اس کی بخشش کے طلبگار پر واجب ہے کہ پہلے اتباع رسولؐ کے ذریعے اللہ سے اپنی محبت ثابت کرے، اور کمالِ خلوص اور صدقِ دل سے اتباع ناممکن ہے، جب تک کہ جس کا اتباع مقصود ہے خود اس کی کامل محبت بھی قلب و روح کی اتھاہ گہرائیوں میں بدرجہ ٔ اتم موجزن نہ ہو۔

جس طرح رسولؐ کی اطاعت اللہ کی اطاعت کے ہم معنی ہے، اسی طرح اللہ سے محبت بھی رسولؐ کی محبت کے بغیر ناممکن ہے، اور یہ محبت بھی ایسی ہے کہ:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ - (۳۳ - احزاب - ۶) -
"آپ صاحبِ ایمان لوگوں کو اپنی جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں"۔

آپ کی خالص اور بے غرض محبت کے بغیر تکمیل ایمان نہیں ہوتی:

گر نہیں حبِّ نبیؐ سے آبیار
کشتِ ایماں بارور ہوتی نہیں (ع۔س۔م)

جذبۂ محبت کا عملی مظہر وہ بلا حیل و حجت اطاعتِ رسولؐ تھی جو ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں جو آپ کی اطاعت میں جان پر کھیل جاتے تھے، موجِ خوں کی طرح متحرک نظر آتی ہے، اقبال اسے عشق کا نام دیتے ہیں، اور یہ عشق بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیتا ہے:

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، صبر حسینؑ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

(ذوق و شوق - بالِ جبریل)

اسی ذوق و شوق اور عشق و محبت کا تقاضا ہے کہ مسلمان ہر دور میں ہمہ وقت سر ہتھیلی پر لئے آپ پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے مستعد اور اس کے متمنی رہتے ہیں۔ اور آپ کے بارے میں کوئی توہین آمیز بات برداشت کرنے کو بجا طور پر تیار نہیں۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کے بارے میں بدگوئی، دشنام طرازی، اتہام تراشی یا اہانت کے مرتکب کے واجب القتل ہونے کے بارے میں، ملتِ اسلامیہ کا ہمیشہ سے اجماع رہا ہے، اور اس پر خود رسولِ کریمؐ کے زمانے سے عمل جاری ہے، حالات و اختیار کے مطابق اس کا نفاذ کبھی وقت کے اولی الامر کی جانب سے ہوا اور اس پر عمل درآمد کو روکا گیا تو ملتِ اسلامیہ کے غیرت مند فرزندوں نے اپنی جان کی بازی لگاکر یہ فرض اپنے انفرادی ہاتھوں سرانجام دیا، بہرصورت انہوں نے ملت کے اجتماعی جذبات کی ترجمانی ہی کی، بزبانِ غالبؔ بہ ادنیٰ تصرف:

لکھتے رہے جنوں کی حکایاتِ خوں چکاں
ہر چند اس میں "سر بھی" ہمارے قلم ہوئے

یہ موضوع مقامِ رسالت کے احترام و تعظیم و تکریم رسولؐ، جذبۂ عشق و محبت نیز عقائد اور عوامی دلچسپی کے لحاظ سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے، گذشتہ چند برسوں میں سلمان رشدی، تسلیمہ نسرین اور خود پاکستان میں چند گمراہ عیسائیوں کی انفرادی طور پر

دریدہ دہنی کی وجہ سے اور پھر مئی ۱۹۹۸ء میں ایک پادری بشپ جان کی "قانونِ اہانت کے خلاف بطور احتجاج" پُراسرار حالات میں مبینہ خودکشی کے باعث اس بحث میں مزید گرمی پیدا ہو گئی۔

دین اسلام کی فکر سے بے بہرہ اور سطحی مطالعہ رکھنے والے "آزاد خیالی" کے علم بردار اس بارے میں ایک خاص ذہن رکھتے ہیں۔ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ کمیونزم کی شکست و ریخت کے بعد سپر طاقتوں بشمول روس نے جو افغانستان کا زخم خوردہ ہے، اسلام کو اپنا دشمنِ اول قرر دیا ہے، چنانچہ وہ ذرائع ابلاغ کی شب و روز کی مسلسل اور لاتناہی یلغار کے ذریعے مسلمانوں پر رجعت پسندی، قدامت پرستی، بنیاد پرستی، تنگ نظری، تنگ ظرفی، تعصب، عدم برداشت، اظہار رائے کی بندش، دہشت گردی بلکہ بچوں اور عورتوں کی حقوق سلبی اور مذہبی اقلیتوں سے ناروا سلوک سے لے کر دنیا بھر کی ہر برائی کے الزامات کی فرد جرم عائد کرتے نہیں تھکتے۔

ان کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات پیدا کر کے، محمد عربیؐ کی محبت اور وفاداری میں نقب زنی سے ان کی بنیادِ یقیں اور حمیتِ ایمانی کو کمزور کر دیا جائے، پھر ان کے خیال میں فصیلِ اسلام کو نعوذ باللہ منہدم کرنے میں کوئی بڑی دقت درپیش نہ رہے گی۔

چنانچہ عجب نہیں ہے کہ ہمارے نام نہاد "دانش ور" اور دوسرے خام ذہن رکھنے والے اس مسموم پراپیگنڈے سے بڑی حد تک متاثر ہو جاتے ہیں، کچھ تو نادانستہ طور پر خوبصورت الفاظ و تراکیب کے خم و پیچ میں کھو کر شکوک و شبہات کا شکار ہو جاتے ہیں، اور کچھ مخصوص حلقوں میں خیالی اہمیت اور سستی شہرت کے حصول یا محض مالی منفعت کی خاطر گردابِ بلا میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

رہی سہی کسر ان منظم گروہوں اور چند غیر مسلم جماعتوں نے، جن کے دلوں میں پاکستان کا اسلامی تشخص روزِ اول ہی سے کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، پوری کر دی،

بعض ملکی و غیر ملکی این جی - اوز (غیر سرکاری تنظیمیں)، حقوقِ انسانی کے مفروضہ علم بردار، ایسے ہی دوسرے نعرہ باز اور فطری شرم و حیا کی اسلامی اقدار سے بے بہرہ، مادر پدر آزادی کا راگ الاپنے والے بھی پیچھے نہیں رہے۔

ذرائع آمدنی کے فقدان کے باوجود، ان میں سے اکثر کے رہن سہن، اطوار و عادات، معیار زندگی، شہری اور سفری سہولتوں اور روپے پیسے کی ریل پیل سے سب جانتے ہیں کہ، اس کشتِ مسموم کی آبیاری کہاں سے ہوتی ہے؟

یہ سب عوامل ذہنوں کو ایک خاص کٹھالی میں ڈھالنے کی صنعت گری اور یقین و ایمان کو متزلزل کرنے میں مصروف عمل ہیں، صورتِ حال اور رائے عامہ کے رہنماؤں، بالخصوص فکر و نظر کی تربیت کرنے والوں کی غیرت و حمیت کا تقاضا ہے کہ جسدِ ملت کے ان ناسور زدہ، فروختنی اور بے ضمیر عناصر کی بیخ کنی ہو، صاحبِ فکر لوگ اس سیلابِ بے راہ روی کے آگے بند باندھیں اور قوم کو بے جہت نہ ہونے دیں۔

گزشتہ سال مصنف کو بحیثیت بانی و مہتم "رحمت ادارۂ تعلیمات اسلامیہ ○"، ایک ایم - ایچ - کے صاحب ⊙ کی جانب سے اطاعتِ رسولؐ اور قانونِ اہانت رسولؐ کے متعلق ان کا تبصرہ اور چند سوالات پر مشتمل ایک مراسلہ موصول ہوا، جو سوال و جواب کی ایک تحریری بحث کی صورت اختیار کر گیا۔

ایک چشم کشا حقیقت یہ منکشف ہوئی کہ ہمارے دانشور اور تعلیم یافتہ لوگ، آزادیٔ تحریر و تقریر، اظہارِ اختلافِ رائے، نام نہاد "حقوقِ انسانی"، جدت اور آزاد خیالی کے زعم میں، جن کا تذکرہ اوپر ہو چکا، شکوک و شبہات کی کن اتھاہ گہرائیوں کے بوسیدہ کناروں پر کھڑے لڑکھڑا رہے ہیں، اور اپنے ہی "دلائل" کے سلاسل میں گرفتار

○ رحمت ادارۂ تعلیمات اسلامیہ کا مقصد پڑھے لکھے سیکولر مزاج، لیکن اسلامی فکر و نظر کی طلب رکھنے والوں کی جدید بنیادوں پر تعلیم و تربیت ہے، سوءِ اتفاق سے بوجوہ اس ادارہ کا اجراء ابھی تک ممکن نہیں ہو سکا۔

⊙ احتیاطاً پورا نام نہیں دیا جا رہا۔

کیسی کیسی موشگافیوں کے خوفناک بھنور میں پھنستے جاتے ہیں۔

ایمان و یقین، اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے جذبۂ عشق و محبت، شوقِ فدائیت اور عقائد کی یہ بحث اہلِ جستجو کے لئے ایک بنیادی نوعیت کی حامل ہے، انگریزی میں خط و کتابت کا یہ اردو ترجمہ ہے، تاہم بعض اصحاب کی رائے کے احترام میں، کہ زیادہ افادیت کے لئے اس کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہونی چاہئے، مزید دلائل و اسناد اور وضاحتوں کے ساتھ اسے کتابی صورت میں شائع کیا جارہا ہے۔

بہائی کمیونٹی کی خدمت میں

اتفاق سے اس خط و کتابت سے کچھ عرصہ قبل پاکستان کی بہائی کمیونٹی کی جانب سے ایک مراسلہ موصول ہوا تھا، اس کا بھی مختصر جواب دیا جاچکا تھا۔ اس خط و کتابت اور بہائی کمیونٹی کے مراسلے اور ہماری جوابی تحریر کے موضوعات بظاہر جداگانہ ہونے کے باوجود ان میں نفسِ معانی کی مماثلت موجود تھی، اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ پاکستان کے مسلمانوں کی فکر و نظر پر مختلف پہلوؤں سے نوع بنوع حملوں اور ان کے مضمرات کا پورا نقشہ سامنے لانے کیلئے بہائی مراسلہ اوز اس کا جواب بھی شاملِ اشاعت کردیا جائے۔

مصنف کے اصل جواب میں اشاعت کے نقطۂ نظر سے مزید دلائل کا اضافہ کردیا گیا ہے، تاہم ہمارا اصل جواب بھی اپنی اصلی شکل میں اسی تفصیل کے اندر موجود ہے۔

چونکہ اپنی اصل میں یہ دونوں مباحث کم و بیش خط و کتابت کی صورت میں ہوئے، اس لئے کتاب میں بھی یہی اسلوب یعنی طرزِ تخاطب قائم رہا، امید ہے اہلِ علم اس اندازِ تحریر سے صرفِ نظر فرمائیں گے۔

میری دعا ہے کہ یہ سعی بارور ہو، اور اذہان سے شکوک و شبہات اور قیاس و گمان

کی گرد صاف کرنے کے علاوہ حضورِ باری تعالیٰ اور دربارِ رسولؐ میں مقبول و مشکور ہو کر میری بخشش و مغفرت کا باعث بنے۔ آمین۔

میں حضرت مولانا وصی مظہر ندوی صاحب کا بے حد شکر گزار ہوں، جنہوں نے اس کتاب کا تعارف لکھنا منظور فرمایا، نیز اپنے بے حد مفید مشوروں سے نوازا۔ میں محبی ڈاکٹر مولانا عبداللہ عباس الندوی صاحب کا بھی ممنونِ احسان ہوں جنہوں نے اہانتِ رسولؐ کی موجودہ لہر کے پس منظر میں اپنا مقدمہ تحریر فرمایا۔

ان دونوں جلیل القدر علماء کی تائید و توجہ اس کتاب کے اعتبار، وقعت اور وقار میں اضافے کا باعث ہے۔

ابوالامتیاز ع۔ س۔ مسلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

مولینا حسرت موہانی نے اپنے متنوع اندازِ طبیعت کے بارے میں کہا تھا ۔

ہے مشق سخن جاری چکی کی مشقت بھی
اک طرفہ تماشہ ہے حسرت کی طبعیت بھی

طبعیت کی یہی رنگارنگی اور مشاغل کا یہی تنوع جناب ابوالامتیاز ع س مسلم میں بدرجہ اتم نظر آتا ہے۔ تاجر و صنعت کار مگر محنت کار، قادرالکلام شاعر، ساتھ ہی بلند مرتبہ نثر نگار، مطالعہ کتب میں مستغرق ہونے کے باوجود جہانیاں جہاں گشت، ابلہِ مسجد ○ سے کوسوں دُور، لیکن فرزندِ تہذیب سے بھی نفور، علم میں وسعت کے ساتھ اعمال حسنہ میں مواظبت، تاہم ان کی اس ہشت پہل شخصیت کو ہر جہت سے جس ضَو نے منور کیا ہے، وہ دانائے سبل، ختم الرسل اور مولائے کل حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سچا عشق، شیفتگی اور محبت ہے چنانچہ ان کے اردو اور پنجابی نعتیہ کلام میں اس عشق و محبت کو رچا ہوا دیکھا بلکہ چھوا جاسکتا ہے۔

اس وقت جو کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے اس کی تحریر و تالیف میں بھی عشق رسولؐ کا یہی جذبہ کارفرما ہے۔ قانونِ اہانت رسول کے خلاف کسی ایم۔ ایچ۔ کے کا خط فیکس کے ذریعہ اُن کو موصول ہوا، وہی اس کتاب کی تحریر کا محرک بنا۔ اور سچی

○ کہتا ہوں وہی بات، سمجھتا ہوں جسے حق ئے ابلہِ مسجد ہوں، نہ تہذیب کا فرزند
(اقبالؔ : بال جبریل)

بات یہ ہے کہ جناب ع س مسلم کی تحریر کا محرک اگرچہ جذبۂ عشق و محبت ہی ہے لیکن ان کی تحریر جذباتیت کی بجائے علم واستدلال پر مبنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے ہی جواب کے بعد ایم۔ ایچ۔ کے صاحب قانونِ اہانتِ رسول کے خلاف اپنے سارے اعتراضات تو بھول گئے لیکن اپنے دوسرے خط میں انہوں نے کچھ دوسرے ہی غیر متعلق مباحث میں الجھانے کی کوشش کی مگر وہ اس میں بھی ناکام رہے۔

جناب ع س مسلم نے اس مختصر کتاب میں قانونِ اہانتِ رسول کی ضرورت، اہمیت اور افادیت کو تاریخی پس منظر کی روشنی میں جس مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ جناب مسلم نے کتاب و سنت کے براہینِ قاطعہ کے ساتھ ساتھ اس قانون کی ضرورت و اہمیت کو اپنے عقلی دلائل سے بھی اس طرح واضح کیا ہے کہ عقلِ عام رکھنے والا ہر شخص اس کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، بس شرط یہ ہے کہ اس نے تعصب کی عینک آنکھوں پر نہ چڑھائی ہو۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کتابچے کو وسیع پیمانے پر پھیلایا جائے، تاکہ روشن خیالی اور آزادیءِ اظہار کے نام پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف کی جانے والی عالمی سازش کا تاروپود بکھر جائے، اور اسلامی احکام و تعلیمات کی سچائی نکھر کر سامنے آجائے۔

(مولانا) وصی مظہر ندوی
سابق وائس پرنسپل،
شاہ ولی اللہ اورینٹل کالج، منصورہ

حیدر آباد

مقدمہ

ڈیوز بری (انگلستان) میں دعوت و تبلیغ کا ایک مرکز ہے۔ اس علاقہ میں عام طور پر گجراتی مسلمان آباد ہیں۔ ان کے بچے اور بچیاں مقامی اسکول میں تعلیم پاتے ہیں۔ بچیاں پورا ساتر لباس پہنتی اور سر پر کسایہ باندھتی ہیں۔ اسکول کے احاطہ میں ایک سوئمنگ پول بھی ہے، جہاں بچے، بچیاں نہاتے اور پیرتے ہیں۔ مسلمان بچیوں نے اس پروگرام میں حصہ نہیں لیا، اور ذمہ داروں کو بتایا کہ یہ ہمارے مذہب میں جائز نہیں ہے کہ ہم ننگا لباس پہنیں اور لڑکوں کے ساتھ تیراکی میں شریک ہوں۔

چند روز کے بعد ایک کمیونٹی آفیسر، مسجد کے امام کے پاس آیا جو تبلیغ کے بھی امیر تھے۔ اس کے ہاتھ میں قرآن کریم کا انگریزی ترجمہ (پروفیسر آربری کا کیا ہوا) تھا۔ اس نے کہا "ویل مولوی صاحب! تمہارے قرآن میں کہاں لکھا ہوا ہے کہ لڑکی لڑکے کے ساتھ ایک سوئمنگ پول میں نہ نہائیں" ؟؟

امام مسجد نے بتایا کہ کسی مسلمان عورت کا ایسا لباس پہننا (جو سوئمنگ میں نہانے والوں کا ہوتا ہے) ممنوع ہے، کیوں کہ عورت کا سارا جسم ستر ہے، اور مردوں سے اختلاط تو اس وقت بھی جائز نہیں جب وہ پورے لباس میں ہوں۔

انگریز کمیونٹی آفیسر نے کہا تو پھر تمہاری کتاب ناقص ہے، جس میں صاف صاف حکم (مسئلہ) نہیں ہے۔ یا تم نے اپنی طرف سے یہ بات گھڑ لی ہے۔

کچھ یہی حال ان جاہلوں کا ہے جو اپنے آپ کو روشن خیال کہتے ہیں۔ اور

"آزادیِ خیال" کا غلط مفہوم بتا کر لوگوں کو دھوکے میں ڈالنا چاہتے ہیں، اور پوچھتے ہیں کہ قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ "جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی اہانت کرے اس کو قتل کردو" اور "آزادیِ خیال و اظہارِ بیان" انسان کا پیدائشی حق ہے۔ اسلام نے کب اور کہاں قدغن لگائی ہے۔؟؟

ہندوستان (بھارت) میں ایک اردو داں صحافی عبدالوحید خان، جو اپنے لئے "مولانا" کا لقب پسند کرتے ہیں، اور اپنے رسالے کے سرورق پر اپنا نام بقلم خود اسی طرح لکھتے ہیں، جنہوں نے کرنل قذافی کی "سبز کتاب" جو قرآن کے متوازی PARALLEL نکلی تو اس کا اردو ترجمہ کیا، پھر حکومت ہند کی خوشنودی اسی میں دیکھی کہ مسلمانوں کو روحانی ایذا پہنچا کر وفاداریٔ ازلی میں نام لکھائیں۔ انہوں نے رشدی کے خلاف آواز بلند کرنے والوں کو "مجنونانہ حرکت" کا مرتکب قرار دیا۔ یہی وہ صاحب ہیں جو چند ماہ پہلے قشقہ لگا کر سرسوتی دیوی کے آگے رکوع کیے ہوئے دیکھے گئے، اور جس کی تصویر چھپی۔ اور "وندے ماترم" (زمین کی پرستش) کو "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" کے مساوی قرار دے کر سرکار میں کچھ آبرو حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے رہے۔ انہیں مولانا نے شاتمِ رسول کی حرکت کو آزادیِ اظہارِ رائے قرار دیا تھا۔ دہلی یونیورسٹی کے ایک پروفیسر، صاحبِ قلم، عالم، ڈاکٹر محسن عثمانی نے ان کا مسکت جواب دیا تھا، جس کو پڑھنے کے بعد کوئی باحیاء انسان ڈھٹائی نہیں کرسکتا۔ اس کتابچہ کا نام "اسلام میں اہانت رسول کی سزا" ہے۔ اس کے پیش لفظ میں راقم الحروف نے لکھا تھا:

> "پیغامبر" سے نفرت و بیزاری کا اعلان دراصل پیغام کی تحقیر ہے۔ رسولؐ پر سب و شتم کرنے والا دراصل اس کی رسالت سے اپنی برأت کا اظہار کرتا ہے، جس کو آپؐ لے کر آئے"۔

" پیغمبر اسلام ﷺ سے کوئی دریدہ دہن بدبخت اپنی نفرت کا اظہار کرتا

> ہے تو اس لئے نہیں کہ آپ کا نام محمد (بآبائنا و امھاتنا) تھا، یا آپ عرب کے رہنے والے تھے، یا قریش کے قبیلہ کے تھے، اور آج سے ڈیڑھ ہزار برس پہلے پیدا ہوئے تھے۔ وہ دراصل اس دین سے بغاوت ظاہر کرتا ہے جس کو برپا کرنے کے لئے آپ آئے۔ اس کو اس روشنی سے کدورت ہے جو آپ کے ذریعے پھیلی (پیش لفظ "اسلام میں اہانت رسول کی سزا")۔

اس مسئلہ کو دوسرے رخ سے بھی دیکھا جاسکتا ہے، کہ اسلام کے خواہ بہتّر فرقے ہوں یا ایک سو بہتّر، سب میں مشترک بات یہ ہے کہ " لا الٰہ الا اللہ - محمد رسول اللہ" سب کا بنیادی عقیدہ ہے۔ ان دونوں میں اگر ایک نہیں ہے تو اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ جہاں تک اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا تعلق ہے یہ سب کا عقیدہ ہے، کہ دنیا کا ہر مذہب اس کو مانتا ہے۔ تعبیریں مختلف ہیں، کوئی اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو کار فرمائے عالم سمجھتا ہے، اور کوئی بلاواسطہ اس کو خالق اور کار فرما سمجھتا ہے، لیکن محمد ﷺ کی رسالت کو صرف مسلمان تسلیم کرتے ہیں، اور رسالت محمدی پر ایمان ہی ان کو مذاہبِ عالم کے درمیان امتیازی حیثیت دیتا ہے۔ اس سے انکار کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس FOLD - حلقے سے نکل جاتا ہے جو اسلام کے نام سے موسوم ہے۔ اگر کوئی شروع ہی سے رسالت محمدی پر ایمان نہ رکھے تو اس کو مجبور نہیں کیا جائے گا، یہاں تک کہ اگر مسلمان کسی ملک پر قابض ہوں تو وہاں کے رہنے والوں کو اختیار ہوگا، خواہ ایمان لاکر فرائض ادا کریں اور حقوق سے نفع اُٹھائیں، یا منکر بن کر رہیں اور نگہداشت و حفاظت کا ٹیکس (جزیہ) ادا کریں۔ " لا اکراہ فی الدین" یعنی مذہب کے معاملے میں کوئی زبردستی نہیں ہے۔ لیکن اپنے آپ کو اسلام میں داخل بتاکر اس کے بنیادی عقیدے سے انکار یا ایسی بات کرنا جو صرف ایک منکر ہی کر سکتا ہے، بغاوت شمار ہوگی۔ اور بغاوت کی سزا ہر مذہب، ہر تہذیب، ہر ملک کے اساسی قانون میں قتل ہے۔ کوئی ملک اپنے باغی اور دشمن کو پناہ نہیں دے سکتا۔

ڈاکٹر مولانا محسن عثمانی نے اپنے رسالے میں صحیح احادیث، چاروں مذاہب فقہہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) اور عہد نبوت کے تعامل اور اسوہ سے ثابت کیا ہے کہ شاتم رسول کی سزا قتل ہے۔

اس مسئلہ کا دوسرا اجزو یہ ہے کہ اظہار خیال کی آزادی کا مفہوم غلط طریقے سے پیش کیا جارہا ہے۔ ایک انگریزی کا محاوہ بہت مشہور ہے کہ " تمہاری آزادی وہاں ختم ہوتی ہے جہاں تمہارے پڑوسی کی ناک شروع ہوتی ہے"۔ مطلب یہ ہے کہ آزادی یہ ہے کہ دوسروں کی آزادی میں خلل ڈالے بغیر کوئی کام کیا جائے۔ کروڑوں انسانوں کے پیشوا اور مقتدا کی ذات پر حملہ اور برے الفاظ سے حوالہ دینا (یعنی اہانت کا ارتکاب کرنا) آزادیِٔ اظہارِ رائے نہیں کہا جاسکتا، کیوں کہ تمام مسلمانوں کی آزادیِٔ عقیدہ پر زد پڑتی ہے۔ لہٰذا اس بدتمیزی کو اظہارِ رائے، یا آزادی کہنا جہالت بھی ہے اور نفاق بھی۔

ہمارے فاضل دوست جناب ابوالامتیاز ع۔س۔ مسلم نے پاکستان کے چند دریدہ دہن منافقوں کی رد میں ایک فاضلانہ تحقیق پیش کی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی محبت بھی جزوِ ایمان، بلکہ جانِ ایمان اور روحِ ایمان ہے۔ اس کو مختلف واقعات و روایات سے ثابت کرکے دکھلایا ہے کہ اِہانت رسول کا مرتکب دراصل پوری ملت اسلامیہ کا دشمن اور بدگو ہے۔

پاکستان میں معلوم نہیں یہودیوں کی سازش یا کسی دشمنِ اسلام گروپ کی سازش کا نتیجہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی سے دور کرنے کے لئے ایک ایسا فرقہ پیدا ہوا، جس نے اپنا مشن رسول اللہ ﷺ کے افرادِ خاندان اور محبوب ترین افراد کی عظمت کو ہلکا کرکے اور ان کی ازالہء حیثیتِ عُرفی کرکے پیش کرنا شروع کیا، اور اہلِ سنت کا لبادہ اوڑھ کر عقائدِ اہلِ سنت کا مذاق اُڑانا شروع کیا۔ اس طرح اس نے وہ زمین ہموار کردی کہ دریدہ دہنوں کی جرأت ذاتِ گرامیؐ تک پہنچ گئی۔ یہ ایک سمجھی

بوجھی سازش تھی جس کا پاکستان میں تجربہ کیا گیا، اور اس شجرہء خبیثہ کے یہ پھل ہیں جواب نظر آرہے ہیں۔ مزید وضاحت کے ساتھ عرض ہے کہ مسلمان ہزار "گیا گزرا" ہو وہ رسول اللہ کی جوتیوں کی خاک کو دنیا کے بڑے سے بڑے حکمراں کے تاج سے افضل سمجھتا ہے۔ محترم مسلم صاحب نے جو نثر و نظم کے حوالے دیئے ہیں وہ مسلمانوں کے عقیدہ کو بتلانے کے لئے کافی ہیں۔ اسی عقیدے کو توڑنے اور اس کی حیثیت کو کم کرنے کی سازش تھی، جس کے لئے تاریخ مسخ کرنے والے عرصہ سے زمین ہموار کررہے تھے۔

محترم مسلم صاحب نے بہائی کمیونٹی کا عقیدہ ایک ذمہ دار کے قلم سے نقل کیا ہے اور اس کا جواب دیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے ہمیں یہ فائدہ ہوا ہے کہ اس گروہ کے اندازِ تبلیغ کا پتہ چلا، اور یہ معلوم ہوا کہ ان کے کیا دعاوی ہیں، اور مسلم صاحب نے اس کا تجزیہ کرکے اچھا جواب دیا ہے، جو قابل تحسین ہے۔ لیکن بہائی گروہ سے ہمیں زیادہ شکایت نہیں ہے، کیوں کہ وہ اسلام کا نام لے کر گمراہ نہیں کرتے۔ انہوں نے اپنے آپ کو علی الاعلان ملتِ اسلامیہ سے الگ فرقہ بتایا ہے، تو ہم جس طرح یہودیوں، نصرانیوں، بودھشٹ، شنٹوں اور ہندو مت کے ماننے والوں سے گفتگو کرسکتے ہیں اسی طرح ان تک اپنی بات پہنچانے کی گنجائش پاتے ہیں۔ یہ قادیانیوں کی طرح نہیں جو اسلام کے نام پر انسان کو دھوکا دیتے ہیں۔ کاش ہمارے قادیانی بھائی اسی طریقہ کو اپناتے تو ہمیں ان سے کوئی شکایت نہ ہوتی، اور ایک غیر مسلم فریق کی حیثیت سے ہم ان کو اسلام کی دعوت دے سکتے تھے۔

محترم مسلم صاحب کی تحریر اپنی جگہ پر مکمل ہے اور مجھے یہ توقع ہے کہ راقم کی معروضات قارئین کے پیش نظر رہیں گی۔

ڈاکٹر (مولانا) عبداللہ عباس ندوی، سابق استاذ،
اُمّ القریٰ یونیورسٹی، مکہ مکرمہ

ندوہ، لکھنو

وَيَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَأَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ
مِّنْهُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ ط وَمَآ أُولٰٓـئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ○
(۲۴-النور-۴۷)

اور وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لے آئے، اور ہم ان کے اطاعت گزار ہیں، لیکن (بوقتِ عمل) ان میں سے ایک طبقہ منحرف ہو جاتا ہے، اور وہ (فی الحقیقت) صاحبِ ایمان نہیں ہیں (بلکہ منافق ہیں)۔

ایک مباحثہ

ایم۔ ایچ۔ کے صاحب کا پہلا خط
مورخہ ۱۱۔ مئی ۱۹۹۸ء

"نبیؐ کی اطاعت لازم نہیں !"

بشپ جان نے قانونِ اہانت (رسولؐ) کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے فیصل آباد سیشن جج کی عدالت (کے احاطے) میں ایک اجتماع سے خطاب کیا، پھر جیب سے ریوالور نکالا، اور اپنے آپ کو گولی مارلی۔ (ڈان اخبار کی خبر)

عدالت نے ایک (عیسائی) "لڑکے" کو اہانتِ رسولؐ کے جرم میں سزائے موت سنائی تھی۔

اہانتِ رسولؐ کا یہ قانون ایک حدیث قدسی پر مبنی ہے۔

یہ قرآن نہیں ہے۔

قرآن کا فرمان ہے کہ "ایک انسان کا بے وجہ قتل جمیع انسانیت کے قتل کے مترادف ہے"۔

قرآن کا فرمان ہے: "یہ رسول کو بھی زیب نہیں دیتا کہ وہ (لوگوں سے) کہے، میری اطاعت ○ کرو"۔ (۳ - آل عمران - ۷۹)

○ یہ آیتِ قرآنی میں سراسر تحریف ہے۔ آیت میں "اطاعت" کا قطعاً ذکر نہیں، بلکہ عبادت کا بیان ہے۔ اصل آیت یہ ہے مَاكَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَاداً لِّي مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (۳ - آل عمران - ۷۹) "کسی بشر کے لئے ممکن نہیں کہ اللہ تو اُسے کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے عبادت گزار بن جاؤ یعنی (اطاعت کے بجائے) میری عبادت کرنے لگو" تفصیلی بحث "نقطہ ۹ - اطاعتِ رسولؐ" کے تحت ص ۴۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اطاعت صرف اللہ کے لئے ہے، قانون صرف اللہ کی جانب سے (ہی درست) ہے۔

قرآن مکمل ہدایت دیتا ہے، زمین و آسمان کے درمیان کوئی شے نہیں جس کی توضیح قرآن میں نہیں کی گئی، اللہ نے قرآن کو سمجھنا آسان فرمادیا ہے، اللہ خود مثالیں بیان فرماتا ہے، کیا احادیث یہ دعویٰ کر سکتی ہیں کہ وہ قرآن کی بہتر تفہیم کر سکتی ہیں؟

قرآن اللہ کا نازل کردہ ہے، اس کے ہر لفظ اور ہر لفظ کے ہر حرف کا محافظ اللہ ہے۔

احادیث انسانوں کی تحریر کردہ ہیں، یہ رسول کریمؐ کی وفات کے تقریباً دو سو (۲۰۰) سال بعد سنی سنائی باتوں کی بنیاد پر معرض تحریر میں لائی گئیں۔ محدثین کا کہنا ہے کہ ان کو تحقیق و تدقیق کے بعد منتخب کر کے مدون کیا گیا ہے، اس کے باوجود ان میں سے بعض موضوع ہیں اور کچھ ضعیف اور مشکوک ہیں، کیا آپ (محض) احادیث کی بنیاد پر ایسے اہم قوانین بنا سکتے ہیں، جن کے تحت سزائے موت دی جاسکتی ہے، جو خلاف قرآن ہے۔

س ۱۔ کیا آپ اتفاق کرتے ہیں کہ قانونِ اہانت غلط (قانون) ہے؟ اور یہ نہیں بنایا جانا چاہیئے تھا۔

س ۲۔ آراء مختلف ہو سکتی ہیں، ایسے اصحاب علم ضرور ہوں گے جن کی رائے غالب رہی، اور یہ قانون بن گیا، لیکن اور لوگ بھی ہوں گے جنہیں اس سے اختلاف ہوگا، کیا آپ (ان میں سے) ایسے اہل علم کی نشاندہی کر سکتے ہیں، جن کی رائے میں وزن ہو، ہمیں دراصل حق کی تلاش ہے، اللہ ہماری مدد کرے گا۔

ہم پاکستان کے دارالعلوموں کے شیوخ الاسلام کو الگ رکھیں، کیونکہ ان کے ذہن ایک خاص سانچے میں ڈھل چکے ہیں، ہمیں کراچی، سندھ، صوبہ سرحد، پنجاب،

بہاولپور اور گومل یونیورسٹیوں کے صدور شعبہ جات اسلامیات، اور مختلف تحقیقی کونسلوں اور فاؤنڈیشنوں میں صاحب علم لوگوں کی تلاش کرنی چاہیئے۔ میں جانتا ہوں کہ ملک معراج خالد، ریکٹر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد ایک صاحبِ علم شخصیت ہیں، لیکن ان کی رائے کون تسلیم کرے گا۔

میرے خیال میں آپ (اس کام کے ذریعے) اسلام کی بڑی خدمت کریں گے، اقبال نے کہا ہے ؎

زندگی بہ جہد است نہ کہ بہ استحقاق

(ایم۔ ایچ۔ کے)

○ ◯ ○

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ○

(۹ - توبہ - ۶۱)

اور جو لوگ بدگوئی (اہانت) کرتے ہیں اللہ کے رسولؐ کی،
ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

جواب ابوالامتیاز ع س مسلم
مورخہ ۱۲۔ جون ۱۹۹۸ء

اہانتِ رسولؐ، عیسائی اور پاکستان

آپ کا ۱۱۔ مئی ۱۹۹۸ء کا فیکس موصول ہوا، جس پر درج تھا کہ یہ دو میں سے پہلا صفحہ ہے۔ (دوسرا صفحہ موصول نہیں ہوا)، تاہم خط کی آخری سطور سے اندازہ ہوا کہ مراسلہ مکمل ہے۔ میرا جواب اسی مفروضے پر مبنی ہے، کسی اختلافی بحث میں الجھے بغیر یہ مناسب ہوگا کہ میں جواب میں اپنے خیالات و تاثرات بالترتیب بیان کردوں۔ آپ جیسے صاحبِ دل اور متلاشی حق سے مجھے توقع ہے کہ خط کی طوالت کے باوجود اس کے مندرجات پر غور کے لئے کچھ وقت نکال سکیں گے۔

ا۔ بشپ جان کی خودکشی

یہ کہنا کہ اس گم کردہ راہ پادری نے صرف بطور احتجاج اپنے آپ کو گولی ماری ہے، ایک ایسے گھناؤنے جرم کی پردہ پوشی کر کے اسے خلعت احترام سے سرفراز کرنے کے مترادف ہے، جو اس سے جمیع عالم انسانیت اور اپنے خالق اعلیٰ کی ذات کے خلاف سرزد ہُوا ہے۔ جان، جو اس نے قتل کر ڈالی، اس کی اپنی نہیں تھی، کہ اس سے کھیلتا پھرتا، یہ خداوند کریم کی عظیم امانت تھی، پادری نے نہ صرف زندگی بخشنے والے کی ناشکری کا مظاہرہ کیا، بلکہ اسے ضائع کر کے امانت میں خیانت کا مرتکب بھی ہوا، احتجاج تو ایک بہانہ تھا، ورنہ امن و سلامتی کے پرچارک پادری کی جیب میں بھرے ہوئے

ریوالور کا کیا کام، قرآن کا فرمان ہے :-

وَلَا تَقْتُلُوْا اَنْفُسَكُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْماً ○ (۴ - نساء - ۲۹)
"اور اپنی جانوں (کو بطور خودکشی اور آپس میں ایک دوسرے) کو قتل مت کرو، بیشک اللہ تمہارے حق میں بڑا مہربان ہے"۔

اور اس ایک خودکشی سے وہ فتنہ و فساد پیدا ہوا، جو قانون اہانت کے ۱۸۶۰ء میں نفاذ سے گزشتہ ۱۳۸ سال میں نہیں ہوا، اور نہ آئندہ سو سال تک کبھی پیدا ہوگا۔

پھر خودکشی تو چیف بشپ لیزلی کیتھ کے بیان کے مطابق بائبل میں بھی حرام ہے۔ چنانچہ اس قسم کا فعل اور وہ بھی اگر ایک عالم شخص سے سرزد ہو، تو اس کی دماغی صحت مشکوک ہو جاتی ہے۔ چیف بشپ نے اپنے علانیہ بیان میں خود مطالبہ کیا ہے، کہ اہانتِ رسولؐ کا قانون قائم رہنا چاہیئے، اس طرح اس نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ یہ قانون عیسائیوں یا کسی دوسری اقلیت کے خلاف نہیں ہے۔

خودکشی کا یہ وقوعہ ویسے بھی عجیب و غریب حالات میں ظہور پذیر ہوا ہے، یعنی رات کے دس بجے جب عدالت بند تھی، اور عدالت کے سامنے کے سارے راستے اور گلیاں اور خود عدالت سنسان تھی، اس سے اس "خودکشی" کی حقیقت اور بھی مشکوک ہو جاتی ہے، چیف بشپ جیسے معتبر فرد نے اس کی نشاندہی کرتے ہوئے ایک دوسرے پادری یعقوب فاروق اور آنجہانی پادری جان کے ڈرائیور پر قتل کا شبہ ظاہر کرتے ہوئے عدالتی تحقیق کا مطالبہ کیا ہے، اور پادریوں کے درمیان عطیات کی کثیر رقوم کی خرد برد اور ان کی تقسیم سے متعلق تنازعات کے الزامات عائد کئے ہیں، یہ رقوم ایسی ہی فتنہ پرداز، تفرقہ انگیز اور انتشار پرور کارروائیوں کے لئے ممالک غیر سے عیسائی تنظیموں اور پادریوں کو اکثر ترسیل کی جاتی ہیں۔

چیف بشپ کا خیال ہے کہ اس سارے واقعے کا پس منظر کچھ اور ہی ہے اور اس کا قانونِ اہانت سے کوئی تعلق نہیں، امید کرنی چاہیئے کہ معاشرے کے دوسرے اصحاب

فکر اور خود مسلمان "دانشور" بھی اسی بصیرت کا مظاہرہ کریں گے۔

۲۔ ایک "لڑکے" کی قانون اہانتِ رسولؐ کے تحت سزایابی

سزا ایک قانونی عدالت نے دی ہے، اس سزا پر عملدر آمد ابھی نہیں ہوا، حقیقت تو یہ ہے کہ ۱۳ سال قبل (ترمیم کے بعد) اجرائے قانون سے لے کر آج تک اس قانون کے تحت کسی ایک شخص پر بھی سزائے موت کا نفاذ نہیں ہوا، موجودہ مقدمے میں بھی مجرم کے پاس ابھی متعدد اپیلوں کی گنجائش موجود ہے، اگر کسی بھی مرحلے پر کوئی اعلیٰ عدالت اس نتیجے پر پہنچتی ہے کہ مجرم ایوب مسیح کے ساتھ انصاف نہیں ہوا اور سزا غلط طور پر سنائی گئی ہے تو وہ عدالت اسے بری کردے گی، جیسے دو سال قبل گجرانوالہ کا یوسف مسیح بری قرار دے دیا گیا تھا، اندریں حالات مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان اختلاف اور فساد اور ماحول میں یہ گرمی پیدا کرنے میں کیا مصلحت، اور کس کی مصلحت تھی؟

معلوم ہوتا ہے کہ اس تلخی پیدا کرنے والوں کے ارادے نیک نہیں ہیں، آج کل تو ویسے بھی ہر کوئی اسلام، مسلمانوں اور پاکستان کی قیمت پر خون لگا کر "شہید" بننے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ کسی کو قتل کرکے پھانسی چڑھ جانے والا بھی "شہید" ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف دہشت گردی کرنے والے بھی "شہید" ہیں، اور ملک کو لوٹ کھسوٹ کر "شیر آیا شیر آیا، دوڑنا" کہہ کر بھاگ نکلنے والے بھی "رتبہ شہادت" میں کسی سے کم نہیں۔ "شہید" جیسے محترم اور حیات بخش لفظ کی جو گت آج بن رہی ہے، اس پر تبصرہ نہ کرنا ہی بہتر ہے۔

جس انداز سے اہانتِ رسولؐ کے قانون کے خلاف شور مچایا جارہا ہے، اس سے تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ہدف یہ قانون نہیں، بلکہ اسلام، مملکت پاکستان، مسلمان اور ان کی غیرت ایمانی ہے، قانون کے نام سے تو محض اصل عزائم کی پردہ پوشی مقصود

ہے۔ ایک تو عیسائیوں کی آبادی (ملک بھر میں) تقریباً صرف ایک فیصد ہونے ، اور دوسرے معاشرے میں بد قسمتی سے بوجہ تاریخی حقائق، ان کے پیشے کی بنا پر ان کے کمتر مقام کے پیش نظر، یہ بات بھی واضح ہے کہ ان کے خیال اور ہمت کی پرواز اتنی بلند نہیں ہوسکتی، ظاہر ہے کوئی اور معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں، کچھ اور قبیح مفادات ہیں جو پیچھے سے تار ہلا رہے ہیں۔

۳۔ ایک انسان کا قتل جمیع نوع انسانی کے قتل کے مترادف ہے

ا۔ بشپ جان کو کس نے مارا؟ جواب آپ کے خط میں موجود ہے، کہ وہ خود اپنے ہاتھوں قتل ہوا، یہ درست ہے تو جمیع نوع انسانی کا قاتل کون ٹھہرا؟

ب۔ اہانتِ رسولؐ کے مجرم "لڑکے" کو کس نے قتل کیا؟ جواب یہ ہے کہ ہنوز کسی نے بھی نہیں، پھر یہ شور و غل کس لئے برپا ہے؟ کیا اس کا مقصد عدالتوں کو مرعوب کرنا نہیں؟ خود ملک کے وزیر اعظم (نواز شریف)، مبینہ طور پر عدالت پر اثر انداز ہونے ، یعنی توہین عدالت کے الزام میں کٹہرے میں کھڑے ہیں۔ ہم عیسائیوں کی جانب سے توہین عدالت کے مظاہرے دیکھ رہے ہیں، کیا اس اقلیت میں سے کسی کے خلاف، اس ضمن میں کوئی کارروائی ہوئی؟

ج۔ بفرض محال اگر مجرم کی تمام اپیلیں مسترد ہو جاتی ہیں، اور اسے جرم ثابت ہونے کی بنا پر عدالتی حکم کے تحت تختہ دار پر لٹکایا جاتا ہے، تو کیا یہ قتل ہوگا؟ قران کریم نے ایک قتل کو جمیع نوع انسانیت کا قتل گردانتے وقت کسی عدالتی سزا کو جو ایک مقدمے کے نتیجے میں دی جائے، اس میں شامل نہیں کیا، اسلامی قانون تو قصاص اور دیگر متعدد جرائم میں سزائے قتل تجویز کرتا ہے، کیا اس کا ہر نفاذ جمیع انسانیت کا قتل ہوگا؟

قانونِ قصاص تو عین عدل و مساوات کا قانون ہے، اس لئے کہ یہ بلا تفریق ذات پات ہر کسی پر عائد ہوتا ہے، اور ہیئتِ اجتماعی یعنی منظم معاشرے کے نظم و قیام اور راستی کا بہترین ضامن و کفیل، کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرنے پائے، اور قوی و ضعیف سب کے حقوق کا تحفظ ہو جائے، چنانچہ اس کے بارے میں بالخصوص ارشاد ہوا ہے کہ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يَّا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥ (۲ - بقرہ - ۱۷۹) - "اور تمہارے لئے اے اہل فہم (یعنی دانشورو اور حقوق انسانی کے علمبردارو اور ان میں برابری کے دعویدارو، (قانونِ) قصاص میں حیات ہے، تاکہ تم (قتل کے مرتکب ہونے سے) پرہیز کرو" (یعنی بچ جاؤ)، اور خدا خوفی اور انصاف سے کام لو۔ لفظ "قتل" قرآن میں سینکڑوں بار مستعمل ہوا ہے، لیکن ہر جگہ سیاق و سباق جدا ہے، نہ کہ انفرادی طور پر قتل کی وہ اندھا دھند صورت، جس کی طرف آپ نے اشارہ فرمایا ہے۔

د۔ ملک عزیز میں (تمام دیگر ممالک کی طرح) قتل، زنا بالجبر، ڈاکہ زنی، غداری یا جاسوسی سے لے کر منشیات فروشی میں سزا یافتہ متعدد لوگوں پر سزائے موت کا اطلاق ہوتا ہے، اس ایک سزا میں کیا خاص بات ہے جو اس قدر شور شرابا برپا کر دیا گیا ہے؟ حالانکہ سزا کا نفاذ تو در کنار، ابھی تو اپیلوں کے بھی بہت سے مراحل باقی ہیں۔ کیا یہ احکام قرآنی کے بارے میں شکوک و شبہات کے جال بُنے، رسالت مآب ﷺ کے ساتھ مسلمانوں کی محبت اور وفاداری کو متزلزل کرنے اور عوام الناس کو جادۂ اسلام سے برگشتہ کرنے کی شعوری اور منظم کوششیں نہیں؟ تاکہ یہ ملک جو اللہ اور اس کے دین کے نام پر وجود میں آیا تھا، اپنی منزل کی طرف یکسوئی کے ساتھ گامزن نہ رہ سکے۔

۴۔ ایک اور عیسائی "شہید لڑکا"!

کچھ عرصہ ہی قبل ۱۹۹۵ء میں ہماری چشم گنہگار نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا، کہ صرف ۱۲ سال کی عمر کا ایک طفل "ہونہار"، اقبال مسیح، ایک ضلعی شہر سے یکایک کل پاکستان کی صنعت قالین بافی کے مزدوروں کی یونین، جن میں یقیناً سارے نہیں تو بڑی اکثریت مسلمان مزدوروں کی تھی، کا مشکوک قسم کی ہیومن رائٹس کی غیر ملکی امداد یافتہ این۔ جی۔ اوز کی پبلسٹی کے سہارے، "لیڈر" بن کر نمودار ہوا، صرف چند دنوں میں "چائلڈ لیبر" کے نعرے لگاتا ہوا، "وہ" ملک اور قومی پریس پر طوفان کی طرح چھاگیا، اور پاکستان کی قالین اور سامان ریاضی کی صنعتوں کو یاجوج ماجوج کی طرح شکست و ریخت سے دوچار کر گیا، اور ہفتہ بھر بعد اسی "چائلڈ لیبر" کی برآمدات سے کمائے ہوئے امریکی ڈالروں سے جھولی بھر کر یکایک منظر سے غائب ہوکر، اپنے سرپرستوں کی آغوش میں امریکہ جا پہنچا، اور اس کے ہیومن رائٹس (حقوق انسانی) والے ساتھی نقارچی بھی سب کچھ بھول کر فرار ہوگئے اور انگلستان میں داد عیش دے رہے ہیں۔ پاکستان کا تو جو نقصان ہونا تھا ہوا، البتہ "چائلڈ لیبر" کی علت بھی--- جس سے غریب خاندانوں کی معیشت کو کچھ سہارا ملتا تھا--- ان کے خیال کے مطابق ہوا میں تحلیل ہوگئی گویا اب کوئی مسئلہ نہیں رہا، جس پر احتجاجی مہم چلائی جائے!

سوال یہ ہے کہ ان مقاصد کے لئے نیز سفر اور ایسے لوگوں کے غیر ملکی قیام کے لئے رقومات کون مہیا کرتا ہے؟ کیا ان کے محرک صرف مزدور بچوں کی فلاح و بہبود جیسے نیک مقاصد تھے؟ اور اگر تھے، تو وہ اور اس کے سرپرست اب کہاں غائب ہوگئے؟ ظاہر ہے یہ پس پردہ تاریں کسی اور جگہ سے ہل رہی تھیں --- ورنہ آج اس محاذ پر مکمل خاموشی کیوں چھائی ہوئی ہے، ادھر آپ نے غوری میزائل کا تجربہ کیا، اور ادھر نئے عالمی نظام کے خدائی فوجداروں نے ہمیں سبق سکھانا شروع کردیا، کہ وہ ملائشیا کی طرح ہمارے ساتھ کیا سلوک کرسکتے ہیں۔

کیا یہ بھی محض اتفاق ہے کہ صرف عیسائی برادران وطن ہی --- اور ان میں سے بھی صرف کم عمر "لڑکے" ہی ایسی حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں، گجرانوالہ، فیصل آباد، شانتی نگر، سیالکوٹ --- ہر جگہ ایک ہی کہانی ہے، کوئی ذمہ دار عیسائی رہنما یا ان کا مشنری یا کسی دوسری اقلیت کا فرد سامنے نہیں آتا، کیا انہیں کوئی شکایت نہیں، یا وہ اپنی قوم کی نمائندگی کا فرض ادا نہیں کر سکتے کہ ۱۴ سالہ "لڑکوں" کو آگے کر دیتے ہیں، یا پھر کیا اس سے زیادہ مسالے دار خبر بنتی ہے؟ چیف بشپ لیزلی کیتھ تو ریکارڈ پر ہیں کہ اہانتِ رسولؐ کا قانون برقرار رہنا چاہیئے، پھر دکھ کس بات کا ہے اور کس کو ہے؟ یہاں تو کوئی مسئلہ ہی موجود نہیں، پھر کون کسے استعمال اور کس کا استحصال کر رہا ہے اور کس کو نقصان پہنچانے کے لئے؟

چونکہ پاکستان کا اسلامی تشخص بعض طاقتوں کے دلوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، اس لئے وہ ہمیشہ تاک میں رہتی ہیں، کہ بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی کا الزام لگا کر اور کبھی بنیاد پرستی اور دہشت گردی کی تہمت عائد کر کے ہمیں بدنام کریں، پابندیاں عائد کر دیں اور ہر وقت ہم کو شکنجے میں رکھیں، یہ بدیہی امر ہے کہ وہ اس قسم کی تحریکوں کو اکساتی، فرد ختنی سماجی کارکنوں، "دانشوروں اور قلم کاروں" کو استعمال کرتی، انہیں فکری اور مالی امداد فراہم کرتی اور پاکستان کی جڑیں کھوکھلی کرنے کے لئے ان کی مذموم کوششوں کی حوصلہ افزائی اور اشاعت کرتی ہیں، تاکہ اپنے قبیح مقاصد کی تکمیل کے لئے بہانے ڈھونڈ سکیں، ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہ نیم خواندہ طبقہ جو اپنے پیشے کی وجہ سے معاشرے میں (غلط طور پر ہی سہی) ادنیٰ شمار کیا جاتا تھا، یکایک نہ صرف اس قدر "بیدار" اور متحرک ہو گیا، بلکہ اس کو لاکھوں ڈالر بھی جلسے جلوسوں، جھنڈوں، پبلسٹی، بیرون ممالک سفر اور وہاں اپنے "لڑکوں" کی آبادکاری کے لئے میسر آگئے ہیں۔ اور ہمیں امریکہ کی طرف سے پابندیوں سے ڈرا دھمکا کر جھک جانے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔

واضح رہے کہ بالخصوص انہی دنوں امریکہ نے مذہبی اقلیتوں پر "زیادتیاں" کرنے والے ممالک کے خلاف معاشی و دیگر مختلف پابندیاں عائد کر دینے کا قانون منظور کیا

ہے۔ گویا ہمیں اس بات سے خوف زدہ کیا جارہا ہے کہ اگر تم نے ایٹمی تجربہ کیا، اور آئندہ ترقی کو لگام نہ دی تو اس سے بھی بُرا حشر ہوگا۔

صد افسوس کہ ہمارے "لبرل دانشور"، "انسانی حقوق" کی نام نہاد تنظیمیں اور ایسے لوگ جو ابھی تک اپنے آپ کو ایک مسلمان ملک یا اسلامی مملکت کے تصور سے ہم آہنگ نہیں کرسکے، اور ذہنی طور پر ناآسودہ ہیں، یا مغربی میڈیا یا کسی اور جبر کے زیرِ اثر ان کا بپتسمہ یا ذہنی تغسیل ہو چکی ہے، وہ بھی بلا غور و فکر اور اپنے اثاثہء علم و تمدن کا مطالعہ کئے بغیر، دانستہ یا نادانستہ مخالفین کے اسی گروہ کے ساتھ کھڑے نظر آتے ہیں۔

۵۔ ایسے قتل کے بارے میں قرآن کا فرمان

مجھے افسوس ہے قرآن کے بارے میں آپ کی یہ تشریح کہ "ایک آدمی کا بے وجہ قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے"، درست نہیں ہے، جس آیت کریمہ کا حوالہ آپ نے دیا ہے، اس کے الفاظ و معانی یہ ہیں۔

مِنْ أَجَلِ ذالِكَ كَتَبْنَا عَلىٰ بَنِىٓ اِسْرَآئِيلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْساً بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْفَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّما قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعاً ط (۵ - المائدہ - ۳۲) - " اسی وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا تھا کہ جو شخص کسی جان کو کسی دوسری جان کے بدلے کے بغیر، یا فساد فی الارض کے بغیر قتل کرے گا، تو اُس نے گویا تمام انسانوں کو مار ڈالا"۔

آیت کے ترجمے ہی سے آپ کے ترجمے اور تعبیر کی غلطی واضح ہے۔

لیکن " فساد فی الارض" کی جو تشریح قرآن و سنت میں واضح کی گئی، اُسے سامنے رکھا جائے تو آپ کی طرف سے اس آیت کا حوالہ دینا بالکل بے محل ہو جاتا ہے، کیونکہ "فساد فی الارض" میں جس طرح جرم رہزنی، ارتداد، جرمِ حرام کاری وغیرہ ....

(بہ تفسیر مولانا عبدالماجد دریا آبادی) شامل ہیں۔ اُسی طرح "اہانتِ رسولؐ" بھی (بہ تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی) زمین میں فساد پھیلانے کی سب سے زیادہ سنگین صورت ہے۔

آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ یہاں صرف "بے وجہ" قتل کی بات نہیں ہے، بلکہ قتل عمد اور فساد فی الارض کی بات بھی ہے۔ ان امور کی صراحت مفسرین کی تشریح کے مطابق اوپر ہوچکی، اور موجودہ "تنازع" کے سیاق و سباق میں جو کچھ ہوچکا ہے یا ہورہا ہے، اس سے بڑھ کر "فساد فی الارض" اور کیا ہوگا کہ اس میں تضحیک دین، اہانتِ رسولؐ، مار دھاڑ، قتل و غارت، نقص اموال، اور اکثریت و اقلیت کے درمیان ابدی عداوت کے بیج بونے کی کوشش سمیت سبھی عناصر شامل ہیں۔

۶۔ چند حقائق

قانون اہانتِ رسولؐ کے بارے میں گفتگو سے پہلے ان چند حقائق کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے، جو ہم فراموش کررہے ہیں:

☆ تحریک پاکستان کا اصل مقصد اور روح یہ تھی، اور ہے کہ اس ملک میں مسلمان، احکامِ اسلام، اپنی تاریخ، تمدن، تہذیب و ثقافت اور روایات کے مطابق زندگی تشکیل دے سکیں، اس مقصد کے لئے ان علاقوں میں صرف مسلمان ہی تھے جنہوں نے لاکھوں جانیں قربان کیں (باقی نام نہاد اقلیتیں یا تو ہماری مخالفت پر کمربستہ تھیں، یا عیسائیوں کی طرح انگریز کی طرفدار تھیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم انہیں آزادی کی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتے نہیں دیکھنا چاہتے، مقصد صرف حقیقت حال کا بیان ہے)، تو آج مسلمان کس منطق و دلیل کے تحت اس حق سے دستبردار ہوجائیں۔

☆ اس ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہے۔

☆ یہاں ایسا کوئی قانون منظور نہیں کیا جاسکتا، جو قرآن و سنت کے منافی ہو (واضح ہو کہ سنت میں حدیث شامل ہے)۔

☆ اقتدارِ اعلیٰ کی مالک صرف اللہ کی ذات ہے جو مندرجہ بالا اصولوں کی روشنی میں (بالخصوص اصول مشاورت کے تحت)، پارلیمان میں عوام کے منتخب نمائندوں کے ذریعے، جن میں ۹۵ فی صد مسلمان ہیں، استعمال ہوگا، ظاہر ہے وہ ایک فیصد (عیسائیوں) کی محدود اقلیت سے مرعوب ہوکر اپنی منزل اور مقاصد سے دستبردار نہیں ہوسکتے۔

☆ کس قانون، جمہوریت، قرآن، بائبل، یا "حقوق انسانی" کے حوالے سے ایک فیصد اقلیت کو ۹۹ فیصد اکثریت کے فیصلوں پر ویٹو کا حق دیا جاسکتا ہے! جب کہ ہر شخص کو نہ صرف اپنے مذہب کی تبلیغ کی آزادی ہے، بلکہ وہ "اسلام" پر تنقید کرنے کا مجاز بھی ہے، بشرطیکہ یہ تنقید قانون اور اخلاق کے دائرے میں ہو۔ اس آزادی کے بعد کسی کو کیا ضرورت ہے کہ شانِ رسالت میں گستاخی یا بدزبانی کرے۔

☆ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ عیسائی اور دیگر اقلیتوں کو آئین پاکستان کے مطابق ان کے تمام مذہبی، شہری و سیاسی حقوق حاصل ہیں، وہ اسمبلیوں میں اپنے نمائندوں کا انتخاب خود کرتے ہیں، ان کے شخصی قوانین کے احترام کا مکمل التزام ہے، تمام کاروباری اداروں اور ملازمتوں کے دروازے معقول طور پر ان کے لئے ویسے ہی کشادہ ہیں جیسے دوسرے ممالک میں ہوتے ہیں، اس سے بڑھ کر ان کا مطالبہ اور کیا ہے؟ یہ کہ وہ مسلمان نمائندوں کا انتخاب بھی کریں؟ پیغمبر اسلام ﷺ کی، نعوذ باللہ، اہانت کرنے میں آزاد ہوں؟ کیا وہ اس حق کے طالب ہیں؟ کیا یہ آزادی تحریر و تقریر ہے یا اس کا استحصال ہے؟ اور اہانت کے قوانین تو مساوی طور پر مسلمانوں پر بھی عائد ہوتے ہیں، اور انہیں ہرگز اس امر کی اجازت نہیں کہ وہ اپنے یا دوسروں کے پیغمبروں کی اہانت کے مرتکب ہوں۔

وقت کا تقاضا ہے کہ حالات و واقعات کا تجزیہ ان کے صحیح سیاق و سباق میں کیا جائے، اور خارجی طاقتوں اور ان کے دیسی گماشتوں کو مسلمانوں کے عقائد، اصولوں اور جذبات سے خود اسلام کی سرزمین میں کھیلنے سے باز رکھا جائے، یہ خارجی طاقتیں اور ان کے گماشتے کھلم کھلا یہ اعلان کررہے ہیں کہ کیمونزم کے انہدام کے بعد ان کا اولین دشمن اور ہدف اب اسلام ہے، اس بارے میں اُن کے ہر احتجاج اور پراپیگنڈے کی توپوں کا رخ خصوصی طور پر پاکستان اور پاکستانی مسلمانوں کی طرف ہے، کیونکہ یہی وہ قوم ہے جس نے دنیا کے جغرافیے کو بدل ڈالا، اور اپنے لئے نظریاتی بنیادوں پر الگ وطن کی تشکیل کا معجزہ کر دکھایا۔ افغانستان میں اشتراکیت کا بت پاش پاش کر کے ایک اسلامی نظامِ مملکت کی راہ ہموار کی، اور حتیٰ الامکان وہاں مغربی اثرات کا راستہ بھی مسدود کیا، اسلام دشمن عیسائی طاقتوں کو یہ سب کچھ ہرگز قابل قبول نہیں ہے۔ وہ تاریخی طور پر مسلمانوں اور اسلام کو اپنا بنیادی دشمن تصور کرتے ہیں۔ حتیٰ کہ اپنے ملکوں میں وہ خود علانیہ ایسی قانون سازی کررہے ہیں۔ جس کے تحت وہ جب چاہیں اور جس ملک کے خلاف چاہیں، مذہبی اقلیتوں پر جبر کا الزام عائد کر کے اپنی طاقت کے بل بوتے پر سخت سے سخت پابندی نافذ کردیں۔

قرآن میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰى اَوْلِيَآءَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ○ (۵ - المائدہ - ۵۱) - "اے ایمان والو! یہود و نصاریٰ (اور دیگر غیر مسلموں کو) کو اپنا دوست (اور مقرب اختصاصی) مت بناؤ (مروت، حسنِ اخلاق، حسنِ سلوک، رواداری، عدل و انصاف، خوش معاملگی اور مصالحت الگ چیزیں ہیں، جن کا تعلق کفر و اسلام سے نہیں، لیکن دوستانہ اور برادرانہ اعتماد و مناصرہ ایک علیحدہ بات ہے جو ان کے ساتھ نہیں ہوسکتی)۔ وہ (صرف) آپس میں (اپنی مناسبت باہمی اور

اسلام سے مشترک عداوت کی بنا پر) ایک دوسرے کے دوست ہیں، اور تم میں سے جو کوئی ان سے دوستی کرے گا وہ انہیں میں (شمار) ہوگا، اور (جو لوگ دشمنانِ دین کے ساتھ اختلاط اور میل جول رکھتے ہیں، دین کی سمجھ اور غیرتِ ملی ایسے لوگوں سے سلب ہو جاتی ہے، اور اس طرح وہ خود اپنی اور مسلمانوں کی جانوں کو خطرے میں ڈال کر ظلم کے مرتکب ہوتے ہیں)۔ اللہ (ایسے) ظالموں کو ہدایت نہیں بخشتا۔"

اس موضوع پر اور بحث ہو سکتی ہے، تاہم جو شخص قرآن پر ایمان رکھتا ہے، اس کے لئے یہی دلیل کافی ہے۔

۷۔ قرآن بمقابلہ حدیث

ہم قرآن کو اللہ کا کلام کیوں تسلیم کرتے ہیں؟ اللہ کو تو کسی نے نہیں دیکھا، وہ ہم جیسے گناہ گار لوگوں سے کلام نہیں کرتا، ہم اس پر صرف اس لئے یقین رکھتے ہیں کہ اللہ کے رسولؐ نے اس کی گواہی دی۔ قرآن، جس پر آپ یقین رکھتے ہیں، کس پر نازل ہوا؟ دوسرا کون ہے، جو اللہ کا پیغام، اس کے پیغمبر سے بہتر طور پر سمجھ سکے، چنانچہ پیغمبر کا قول "حدیث" قرار پایا۔

☆ یہ اصول ہے کہ مریض، طبیب کی طرف رجوع کرتا ہے، اگر وہ ایک طبیب سے مطمئن نہیں ہوتا تو دوسرے یا تیسرے طبیب کی رائے کا طلب گار ہوتا ہے، لیکن طوعاً و کرہاً بالآخر رائے اسے طبیب ہی کی ماننی پڑے گی۔

☆ یہی صورت حال ایک مہندس (انجینئر)، ماہر تعمیر یا وکیل (ماہر قانون) کے بارے میں ہے۔

☆ طب، ہندسہ، سائنس، ٹیکنالوجی، اور علم و ادب غرضیکہ ہر فن پر کتب موجود

ہیں، لیکن صرف کتابیں پڑھ لینے سے مہارت کون حاصل کر سکتا ہے؟ عمر عزیز کے ۱۶ سے ۲۰ سال صرف مبادیاتِ علم کے حصول میں صرف کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کے بعد بھی جب تک کسی ہمدرد و شفیق استاد کی نگاہِ شفقت نہ ہو، اور اس کی زیر نگرانی ڈاکٹری کے لئے شفاخانوں میں، محاسب، انجینئر، یا قانون دان بننے کے لئے جملہ ماہرین کی نگہداری میں طویل مدت تک عملی تربیت اور تجربہ حاصل نہ کرلیا جائے، تب تک اپنی علمی صلاحیتوں کو بطور پیشہ بروئے کار لانا اور تحقیق و تدقیق تو بڑی بات ہے، آدمی اس مقام تک بھی نہیں پہنچ پاتا جہاں وہ ایک نظم و ضبط کے تحت صرف غور و فکر کرنا ہی سیکھ سکے۔ یا کسی فیصلے یا عملی اقدام پر آزادانہ طور پر کاربند ہو سکے--- اور تو اور اپنی مادری زبان میں بھی علم و ادب پر عبور اور مہارت تامہ کے حصول کے لئے استاد کا سہارا لازمی ہے۔

☆ کیا قرآن کریم جو تا قیامت مستقل ہدایت کا سرچشمہ ہے اس کا مستحق نہیں کہ ہم اسے ان لوگوں سے (آپ انہیں کسی نام سے بھی پکارلیں) سیکھنے اور سمجھنے کی کوشش کریں، جنہوں نے اس کے معانی، ان کی گہرائی و گیرائی اور ان کی روح کی تفہیم و تحقیق میں عمریں بسر کردیں، آپ کو یہ اختیار تو ہے کہ کسی معاملے میں ان کے نقطہ نگاہ سے اتفاق نہ کریں، لیکن آپ کو اس عمل سے بہرحال گزرنا پڑے گا، اس سے مفر ممکن نہیں، کوئی مشورہ نہیں دیتا کہ آپ علماء قرآن سے استفادہ کرتے وقت اپنی عقل و خرد کے دروازے بند کرلیں، اگر کوئی ایسا کرکے اندھی تقلید کرتا ہے تو وہ اپنے فعل کا خود ذمہ دار ہے۔

☆ علامہ اقبال کی عقل و خرد کا مقابلہ تو ہما شما کیا کریں گے، وہ بھی اپنے آپ کو غیر مقلد کہنے کے باوجود مقلد کہتے تھے، اور اکابرِ سلف کی پیروی کرتے تھے تو عام آدمی کو اس سرچشمہ علم و فضل سے استفادے میں کیا عار ہے۔

چنانچہ علامہ اقبال اپنی وصیت میں لکھتے ہیں:

"میں عقائدِ دینی میں سلف کا پیرو ہوں، نظری اعتبار سے فقہی معاملات میں غیر مقلد ہوں، (لیکن) عملی اعتبار سے حضرت امام ابو حنیفہؒ کا مقلد ہوں"۔ ○

جب علامہ اقبال کا بھی یہ عمل ہے، تو واضح ہے کہ صرف تربیت یافتہ ذہن ہی الفاظ و معانی کی، صحیح سیاق و سباق میں درست تعبیر و تفسیر کر سکتے ہیں، بالکل اسی طرح، جیسے کسی اور شعبہ علم و فن میں، لیکن اس کا کیا علاج کہ اکثر لوگ اپنے اپنے کاروبارِ حیات کی مصروفیتوں میں غرق، خود محنت اور تحقیق و تدقیق سے جی چراتے ہیں، اور اپنی آزاد خیالی کے زعم میں اپنی دینی کم علمی اور کم فہمی کا غصہ علماء پر اتارتے ہیں۔

☆ یہ کہنا کہ دارالعلوموں کے شیوخ الاحادیث کو نظر انداز کر دیا جائے یہ کہنے کے مترادف ہے کہ ہمیں کسی شعبہ علم میں اسپشلسٹس یا متخصصین کی ضرورت نہیں کالج، یونیورسٹیاں، اور تعلیم و تحقیق کے ادارے بند کر دیئے جائیں، کیونکہ ان سے ایسے لوگ پڑھ لکھ کر نکلتے ہیں جن کے خیالات ہمیں ناقابل قبول ہو سکتے ہیں، یہاں سائنس دان پیدا ہوں گے جو زہریلی گیس، ایٹم بم یا دیگر خطرناک ہتھیار بنا سکتے ہیں، اس لئے یہ سرچشمہ ہی بند کر دیا جائے، نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

☆ رسول کریمؐ کی زندگی (سیرت مبارکہ) اور اقوال (احادیث) اور حسنِ معاشرت (اسوۂ حسنہ) ہی وہ واحد ذریعہ ہیں جس سے ہم قرآن کے لفظ بہ لفظ معانی کے علاوہ اس کے صحیح اسرار و رموز سے بہرہ ور ہو سکتے ہیں، کیونکہ قرآن آپؐ پر اور آپؐ کی زبان میں نازل ہوا، اور آپؐ سے بڑھ کر قرآن کو کوئی نہ سمجھتا تھا، اور نہ سمجھا سکتا تھا، اور نہ ہی آپؐ سے بڑھ کر عمل پیرا ہو سکتا تھا، آپؐ کی زندگی ہمارے لئے "اسوہ حسنہ" ہے۔ اور یہ علوم ہم تک درجہ بدرجہ دوسروں کے ذریعے پہنچے، پس آپ ان میں سے کسی کو بھی آسانی سے کیسے رد کریں گے۔

○ روزگارِ فقیر جلد دوئم، ص ۵۹

اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ قرآنِ حکیم کو بیان کرنے اور اس کی وضاحت کرنے کی ذمہ داری خود قرآنِ حکیم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ڈالی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَانُزِّلَ اِلَيْهِم (۱۶ - النحل - ۴۴)
- اور ہم نے تمہاری طرف "الذکر" (قرآن) نازل کیا، تاکہ تم لوگوں پر، اس چیز کو جو اُن کی طرف نازل کی گئی، کھول کر واضح کردو۔

۸۔ احادیث کا پس منظر اور ان کی ہمہ گیری

تاہم (توحید، سلسلہ نبوت، جزائے آخرت اور دیگر بنیادی دینی عقائد کے علاوہ) عام امور حیات اور تمام اہم معمولات زندگی میں جو مختلف اوقات اور بدلتے ہوئے حالات میں پیش آتے رہتے ہیں، مندرجہ بالا حدود کے اندر تشریح و توضیح کی بہت گنجائش ہے (کیونکہ اسلام قیامت تک کے لئے ایک عملی اور متحرک زندگی کے لئے نازل ہوا ہے نہ کہ ایک ساکت و جامد حیات کے لئے)۔ اس گنجائش سے بہت وسیع پیمانہ پر استفادہ کیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلام ۱۴۰۰ سال گزر چکنے کے بعد بھی ایک محکم اور عملی قوت کے طور پر قائم ہے۔ اس کی اسی خاصیت سے اقوام مغرب خوف زدہ ہیں۔

رسول کریمؐ کے زمانے میں کوئی مشکل نہیں تھی، کوئی مسئلہ حل طلب ہوتا تو لوگ آپؐ سے براہ راست دریافت کرلیتے تھے، آپؐ کی وفات کے بعد یہ فرض خلفائے راشدین اور ان کے جانشینوں کی ذمہ داری ٹھہرا، ان کے فیصلے، مشورے اور فرمودات قرآن مجید یا رسول کریمؐ کے عمل کے مطابق ہوتے تھے، یا اس تشریح و توجیہہ کے مطابق کہ اگر رسول اللہؐ اس کا فیصلہ کرتے تو اس طرح کرتے، چنانچہ احادیث کو جمع اور محفوظ کرنے کا آغاز آپؐ کی حیات مبارکہ سے ہی شروع ہوگیا تھا۔

-- خطبہ حجۃ الوداع کا مشہور اور متفق علیہ واقع ہے کہ آپؐ نے ایک بہت بڑے مجمع سے اپنے پیغام کے بارے میں فرمایا، کہ لوگو سنو! اور جو تم میں سے یہاں موجود نہیں ہیں، ان تک پہنچادو۔

-- حجۃ الوداع کے خطبے کو سننے والوں میں ایک صاحب ابوشاہ نامی تھے۔ انہوں نے فرمائش کی کہ یہ خطبہ ان کے لئے لکھ دیا جائے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان کو لکھ کر دینے کی ہدایت فرمائی۔

-- عبداللہ بن عمرؓو بن العاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث لکھا کرتے تھے اور انہوں نے اپنی اس یادداشت کا نام "صادقہ" رکھا۔

-- اس کے علاوہ آپؐ نے تین سو کے قریب دستاویزات اور خطوط تحریر فرمائے۔

-- نیز جن لوگوں کو آپؐ نے کسی علاقے کا حاکم بنایا، جن لوگوں کو آپؐ نے زکوٰۃ وصول کرنے بھیجا، ان کو احکامِ زکوٰۃ وغیرہ تحریری طور دیئے گئے تھے۔

گویا تحفظِ حدیث اور دوسروں تک اس کے ابلاغ کا حکم خود رسول کریمؐ نے جاری فرمایا، اور یہ کام آپ کے وقت سے جاری ہے۔

اس کام میں ہراول دستے کا کردار خود خلفائے راشدین نے ادا کیا، اور انہوں نے اس بات کا پورا پورا اہتمام کیا کہ ان کے فرمودات، فیصلے اور عمل اس تعلیم و تربیت پر مبنی ہوں جو انہیں رسول اکرمؐ نے دی تھی۔ (حتیٰ کہ انہوں نے قرآن بھی آپؐ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق جمع کیا)، یہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے "قال رسول اللہ" کی اصطلاح شاذ و نادر ہی استعمال کی ہو، اور یہ لفظاً کہنا ضروری بھی نہیں تھا، کیونکہ انہوں نے اپنی عمریں رسول اکرمؐ کی خدمت میں گزار دی تھیں۔

چنانچہ یہ کہنا کہ احادیث کو جمع کرنے کا کام آپ کی وفات کے دو سو برس بعد شروع ہوا، (تاریخی لحاظ سے) درست نہیں، احادیث تو کثیر تعداد میں لوگوں کے پاس

تحریری یا زبانی طور پر یادداشت میں محفوظ تھیں، خیال رہے اس وقت ہزاروں کی تعداد میں ایسے صحابہ موجود تھے جنہیں قرآن ازبر تھا یعنی وہ حافظ قرآن تھے، تو کیا یہ ناممکن تھا کہ بہت سوں کو یہی امتیاز احادیث یاد رکھنے میں حاصل تھا! تاہم یہ ایک فطری بات ہے کہ اگر کسی کے بیان کو تحریری یا زبانی طور پر دہرایا جائے تو اس میں ارادی یا غیر ارادی طور پر لفظ و اعراب، تلفظ یا لب و لہجے کے فرق کا امکان موجود رہتا ہے، (لیکن یہاں بھی ہمیں "کسی کے بیان" سے رسول اللہؐ کے بیان میں فرق ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا، کیونکہ اہم شخصیات کے الفاظ و بیان کی تکریم و تحفظ میں ہر دور میں خصوصی احتیاط مدنظر رکھی جاتی ہے)۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے تقویٰ اور زہد و ورع کی بنا پر خلفائے راشدین بہت محتاط تھے، تاہم وہ خوب جانتے تھے کہ وہ کیا کررہے ہیں۔ رسول کریمؐ نے کسی معاملے میں کیا کیا تھا (حدیث)، یا آپؐ موجود ہوتے تو کیا کرتے (اجتہاد)، یہ اصول ہمیشہ جاری و ساری رہا اور آج بھی کارفرما ہے، تاہم اس کا حق وہی ادا کرسکتے ہیں جو اس کے علم اور نظم سے بہرہ ور ہیں، قانون کی تشریح ایک ماہر قانون یا مجاز عدالت ہی کرسکتی ہے، جس طرح تکنیکی امور کے لئے ایک ماہر ہندسہ کی ضرورت ہوگی۔

بعد کے محدثین کے اس انتہائی حزم و احتیاط کا تصور کیا جاسکتا ہے جو انہوں نے اس ذخیرہ احادیث کی تحقیق و تدقیق اور توثیق و تدوین میں ملحوظ خاطر رکھی، ان میں سے بیشتر احادیث کی صحت پر اتفاق رائے ہے، (ایسی کتب۔ صحاح ستہ۔ کی الگ تدوین کردی گئی ہے، جن کی اکثر احادیث کی صحت پر تقریباً تقریباً کامل اتفاق ہے)۔ احتیاطاً یہ اصول بھی اختیار کیا گیا ہے کہ قرآن، رسول اللہ اور آپؐ کے خلفاء کے عمل کے خلاف کوئی حدیث صحیح نہیں ہوسکتی۔ اس کی مزید ضمانت ہمیں "علم اسماء الرجال" کی تدوین میں ملتی ہے، یہ ایک ایسی منفرد سائنس ہے جو مسلمانوں نے حدیث کے صحت کے سلسلے میں قائم کی اور جس کی مثال عالمی تاریخ میں اب تک قائم نہیں ہوسکی۔ لہٰذا مندرجہ بالا بحث کے بعد یہ کہہ دینا کہ احادیث کی صحت پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا، یا وہ غیر ضروری ہیں، نرم سے نرم الفاظ میں، انتہائی غفلت اور لاعلمی کی دلیل ہے۔

صدیوں کی لگن اور محنت شاقہ کے بعد جو علوم اور فوائد ہمیں آج میسر ہیں، انہیں مسترد کرنے کے بجائے یہ کہیں بہتر ہے کہ:

☆ ہم اس علم و دانش کے ورثے سے استفادہ کریں (اپنی آنکھیں کھلی رکھیں)، اس کی حفاظت کریں اور جہاں تک ممکن ہو اس میں اضافہ کریں۔

☆ جس چیز کی کمی محسوس ہو اسے دور کرنے کی کوشش کریں۔

☆ قدیم و جدید، ماضی و حال اور روایت و جدت کے فاصلوں کو کم کریں، کہ یہ تمام عوامل متصل اور مسلسل ہیں۔

☆ مختلف نقطہ ہائے نگاہ میں باہمی گفتگو، مفاہمت، تطابق اور برداشت کا مادہ پیدا کریں۔

۹۔ اطاعتِ رسولؐ

اطاعت رسولؐ ہی فی الحقیقت اللہ کی اطاعت ہے۔ مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کو آیت ۳-۷۹ کو سمجھنے میں سخت مغالطہ ہوا ہے، پوری آیت یہ ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَاداً لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ (۳-عمران-۷۹)

- "کسی بشر کے لئے یہ بات جائز نہیں ہے کہ اللہ تو اسے کتاب اور حکمت اور نبوت کے منصب جلیلہ سے سرفراز فرمائے، (تاکہ وہ پیغام الٰہی بندوں تک ٹھیک ٹھیک پہنچا کر انہیں اللہ کی بندگی، اطاعت اور وفاداری کی طرف متوجہ کرے) اور وہ لوگوں سے یہ کہنے لگے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ، بلکہ (اس کے برعکس وہ تو یہی کہے گا) کہ اللہ

والے یعنی اللہ کے بندے بن جاؤ، (اور صرف اسی کی عبادت کرو)، جیسا کہ تم کتاب (نہ صرف) سکھاتے ہو (بلکہ) خود بھی (اسے) پڑھتے ہو (جس کی وجہ سے یہ بات تم پر پوری طرح روشن ہے --- ملاحظہ فرمایئے کہ نقطہ وضاحت عبادت ہے نہ کہ اطاعت محض، اور عبادت کے معنی ہر شعبۂ حیات اور حقوق اللہ کے علاوہ حقوق العباد پر محیط ہیں"۔ آپ نے اس آیت میں "عبادت" کے معنی "اطاعت" کئے ہیں، جو درست نہیں۔

اس سے واضح ہے کہ رسولان خدا لوگوں کو اپنی بندگی و عبادت کی ترغیب نہیں دیتے تھے، اور یہ کہ جو لوگ کتاب کی تعلیم سے وابستہ ہیں، یا ویسے اس کا شعور رکھتے ہیں۔ اس بات کو اچھی طرح سمجھتے ہیں، تاہم عبادت و بندگی کے برعکس رسولؐ کی بلاچون و چرا تابعداری تو ایمان کی شرط ہے اور رسول کریمؐ کے زمانے میں ایسا ہی تھا۔ قرآن کا فرمان ہے:

☆ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ۝ (۳ - آل عمران - ۳۲) - "آپ کہہ دیجئے کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو (اللہ کی اطاعت اصالتاً اور مقصود اصلی ہے اور رسولؐ کی اطاعت تبعاً و نیابتہً بطور واسطہ کے ہے، کہ وہ اللہ ہی کا پیغام لے کر آتا ہے، اور اس لئے اس کی اطاعت ویسی ہی لازم ہے)، اس پر بھی اگر وہ روگردان رہیں اور میری اور تیری اطاعت سے ہچکچائیں) تو اللہ کافروں کو (پسند اور ان) سے محبت نہیں کرتا"۔ کیونکہ وہ "اطاعت" کے ایسے صاف اور صریح حکم سے منہ موڑے ہوئے ہیں، خواہ "محبت" الٰہی اور حقانیتِ قرآن کے کیسے ہی دعوے ان کی زبانوں پر ہوں اور اللہ نے یہ کہہ کر کہ وہ کافروں کو پسند نہیں کرتا، یہ جتلادیا کہ اطاعتِ رسولؐ سے انکار کفر ہے۔

☆ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (۳ - آل عمران - ۱۳۲)

- "اور اللہ اور (اس کے) رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم رحم کے مستحق قرار پاؤ"۔ یعنی رسولؐ کی اطاعت ہی فی الحقیقت اللہ کی اطاعت ہے اور جن کو اطاعت اور عبادت کا فرق نظر نہیں آتا وہ اطاعت رسولؐ کو غیر ضروری بلکہ شرک کہنے لگتے ہیں، اور یہ بہت بڑی غلطی ہے۔ اس کا ایک مظاہرہ جنگ احد میں بھی ہوا، جب ایک درے کی نگہداشت پر مقرر دستہ حکم رسولؐ کے خلاف اپنی جگہ سے ہٹ کر مال غنیمت پر ٹوٹ پڑا، اس دستہ کے افراد اپنے ایمان اور زہد و ورع میں نیز بطور اصحاب رسولؐ، آپؐ کی صحبت سے فیض یاب ہونے میں کسی سے کم نہ تھے، لیکن اطاعتِ رسولؐ کے بارے میں ذرا سی اجتہادی غلطی یا آزاد خیالی نے پانسہ پلٹ دیا، اور اس کے نتائج تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔

☆ يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ط (۴- النساء - ۵۹) - "اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ کی اطاعت کرو اور ان اہل اختیار کی جو تم میں سے ہوں (موجودہ سیاق میں ملک کی منتخب حکومت، علماء و فقہائے امت اور بالخصوص عدالتیں)، پھر اگر تم میں باہم اختلاف ہو جائے کسی معاملے میں تو (آخری فیصلے کے لئے) اللہ اور رسولؐ کی طرف رجوع کرو (کیونکہ کتاب و سنت ہی ساری شریعت کا ماخذ ہے)، اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو"۔ اس لئے شتر بے مہار نہیں ہو، اطاعت رسولؐ میں یہ اتنی واضح آیت ہے کہ مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

☆ وَاَطِيْعُوا اللهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ج فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (۵- المائدہ - ۹۲) - "اور اطاعت کرتے رہو اللہ کی، اور اطاعت کرتے رہو رسولؐ کی، اور (ان کے حکم کی

خلاف ورزی سے) بچتے رہو، اور اگر تم (تابعداری سے) اعراض کروگے تو جان رکھو کہ ہمارے رسولؐ کی ذمہ داری (تو پیغام کا) صاف صاف (کھول اور سمجھا کر پہنچادینا (ہی) ہے"۔ سو وہ تبلیغ پوری کر چکے اور عذر کی گنجائش کسی کو نہ رہی۔

☆ یَآ یُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَاتُبْطِلُوْآ اَعْمَالَکُمْ ۝ (۴۷ - محمد - ۳۳) - "اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور (اپنی تاویلات اور خواہشات نفسانی پر چل کر اور ان کی نافرمانی کر کے) اپنے اعمال کو رایگاں مت کرو"۔ ان کی اطاعت سے اعراض کروگے تو خواہ کتنے ہی اچھے عمل کیوں نہ ہوں سب باطل ہو کر رایگاں ہو جائیں گے۔

☆ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ ط وَاللّٰہُ غَفُوْر رَّحِیْم ۝ (۳ - آل عمران - ۳۱) - "آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت (اور اس پر، اور اس کی کتاب پر ایمان) رکھتے ہو، (جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے) تو میرا اتباع کرو (اور میری ہی راہ پر چلو، کیونکہ میں جامع کمالاتِ انسانی بنا کر بھیجا گیا ہوں، اور میری زندگی ہی ساری کائناتِ انسانیت کے لئے ہر شعبہ میں معیار اور قابل تقلید نمونہ ہے)، اللہ تم سے محبت کرنے لگے گا (کہ اس سے آگے اور درجہء کمال نہیں)، اور تمہارے گناہ بخش دے گا (گویا اللہ کی محبت اور بخشش میری تابعداری اور فرمانبرداری کے ساتھ مشروط ہے، اور اس سے اعراض، گناہ ہے)، اور اللہ بڑا بخشنے والا ہے (اس کی شانِ غفاری کا تقاضا ہے کہ تمہارے معاصی کی مغفرت کردے گا)، (وہ) بڑا رحم کرنے والا ہے"۔ سو اس کی شان رحمت کا تقاضا ہے کہ وہ خود تم سے محبت کرنے لگے گا بشرطیکہ تم میری اطاعت اور متابعت میں کمربستہ رہو۔

☆ فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْص وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج (۸ - انفال - ۱۷) - "سو ان (کافروں) کو تم نے قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا، اور جب آپؐ نے (اے رسولؐ ان پر) خاک کی مُٹھی پھینکی (تو) وہ آپؐ نے نہیں پھینکی، بلکہ اللہ نے پھینکی"۔ اس لئے کہ موثر حقیقی تو صرف اس کی قدرت ہے اور خاک کی مٹھی پھینکنے کا تمہارا عمل دراصل اللہ ہی کا عمل تھا۔ واضح رہے کہ اللہ نہ صرف اپنی اطاعت کو اطاعتِ رسولؐ کے ساتھ مشروط فرماتا ہے، بلکہ رسولؐ کے عمل کو اپنا عمل گردانتا ہے، اب اگر کوئی اللہ کی اطاعت اور رسولؐ کی اطاعت میں فرق کرے، تو اس سے بڑی معصیت کی بات کوئی نہیں۔

☆ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ج وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ○ (۴ - النساء - ۸۰) - "جس نے رسولؐ کی اطاعت کی، اس نے (گویا) اللہ ہی کی اطاعت کی (کہ عام انسانوں کے پاس بجز واسطہ رسولؐ کے اور کوئی ذریعہ معرفت احکام الٰہی کا نہیں۔ اس میں ان گمراہ لوگون کا رد بھی آگیا جو رسولؐ کی اطاعت کو اللہ کی اطاعت کا مستلزم نہیں سمجھتے)، اور جو کوئی (اس سے) روگردانی کرے تو ہم نے آپ کو ان پر نگران بناکر نہیں بھیجا"۔ آپ پر ان کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔

۱۰۔ کچھ اور اسناد

○ ○ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ط وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ

○ چونکہ ایم۔ایچ۔کے صاحب، فرمانِ رسولؐ یعنی حدیث کے بارے میں متذبذب ہیں، تاہم بقول خود، قرآن کی حقانیت اور اس کی حاکمیت اعلیٰ کو تسلیم کرتے ہیں، اور اب یہ مباحثہ وسیع تر ابلاغ کے لئے، مزید دلائل کے ساتھ، (ایک رسالے کی صورت میں شائع کیا جارہا ہے، اس لئے قرآنِ حکیم سے، براہِ راست یہ اضافی اسناد دی جارہی ہیں، تاکہ اعراض و اعتراض کی قطعاً کوئی گنجائش نہ رہے۔ (ابوالامتیاز)

تَجْرِی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا ط وَ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ ○ (۴ - نساء - ۱۳) - "(اس آیت سے پہلے جن حدود و قوانین کا ذکر ہو چکا) یہ سب خداوندی ضابطے ہیں، اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی (پوری) اطاعت کرے گا، اللہ اُسے (بہشت) کے باغوں میں داخل کرے گا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ عظیم کامیابی ہے"۔

گویا یہاں بھی اللہ کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت کے ساتھ لازم ہے، اور جو یہ سمجھے کہ رسولؐ تو صرف ایک پیغام رساں ہے، اس کی اطاعت لازم نہیں آتی، اس سے بڑھ کر بدنصیب کون ہوگا! اس کا تذکرہ اگلی ہی آیت کریمہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

○ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه، وَیَتَعَدَّ حُدُوْدَه، یُدْخِلْهُ نَاراً خَالِداً فِیْهَا وَلَه، عَذَاب مُّهِیْن○ (۴ - نساء - ۱۴) - "اور جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی نافرمانی کرے گا، اور اس کے ضابطوں کی حدود سے باہر نکل جائے گا، اُسے وہ (دوزخ کی) آگ میں داخل کرے گا، اس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑا رہے گا، اور اُسے بہت ہی ذلت آمیز عذاب ہوگا"۔

رسولؐ کی اطاعت تو اللہ کی اطاعت کے ساتھ لازم تھی ہی، اس کی نافرمانی بھی اللہ کی نافرمانی قرار پاجاتی ہے، گویا اطاعت رسولؐ سے مفر نہیں اور یہی عین سعادت اور فلاح و کامیابی کا راستہ ہے۔اور جو اس سے فرار اختیار کرے گا، اس کا ٹھکانہ بھی اللہ نے مقرر کردیا۔

○ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِیُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ط وَلَو اَنَّهُم اِذ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُ وْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَاباً رَّحِیْماً○ (۴- نساء - ۶۴) - "اور ہم نے جو بھی

رسول بھیجا وہ اسی غرض سے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے، (کیونکہ اطاعت اصالتاً تو اللہ ہی کی ہے، اور رسولؐ کی اطاعت اللہ کی نیابت سے ہے) اور اگر وہ لوگ، جس وقت اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے (یعنی اپنا بُرا کر بیٹھے تھے)، تیرے پاس (اے رسولؐ) آجاتے، پھر اللہ سے معافی چاہتے، اور رسولؐ بھی ان کے حق میں مغفرت کے طلبگار ہوتے، تو یہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور مہربان پاتے"۔ ان کی توبہ قبول ہو جاتی۔

توبہ تو بہر حال اللہ تعالیٰ ہی نے قبول کرنی ہے، اور بخشنے والی بھی اسی کی ذات ہے، لیکن وہی ذات جب رسولؐ کا واسطہ درمیان میں لاتی ہے، تو پھر اُس رسولؐ کے اور اس کی اطاعت کے درجات کیا ہوں گے؟ اور اس سے اعراض کی مکافات کیا ہوگی؟

- اور اسی پر بس نہیں، وَمَنۡ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰۤئِكَ مَعَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيۡقِيۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيۡنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۤئِكَ رَفِيۡقًا ؏ (۴ - نساء - ٦٩) - "جو بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا تو ایسے لوگ (باوجود اپنے اعمال کی کوتاہی، اور مرتبے میں فروتر ہونے کے)، ان کی رفاقت میں ہوں گے، جن پر اللہ نے اپنا خاص انعام کیا ہے --- یعنی پیغمبر، اولیاء اور شہید اور صالحین اور یہ کیسے اچھے رفیق ہیں"۔ اور ان میں وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کو مردہ نہ کہو وہ زندہ اور حیاتِ ابدی میں ہیں۔ ہر چند کہ تمہیں اس کا شعور نہیں ہے۔

- فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصۡلِحُوۡا ذَاتَ بَيۡنِكُمۡ وَاَطِيۡعُوا اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗۤ اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِيۡنَ ؏ (۸ - انفال - ۱) - "پس اللہ سے ڈرتے رہو، اور آپس میں

صلح (اور امن و امان، اور اپنے معاملات درست رکھو)، اور اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو"۔ کہ اللہ کی اطاعت کے ساتھ ساتھ اطاعتِ رسولؐ ہی شرطِ ایمان اور معیارِ ایمان ہے۔

○ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْآ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ○ (۸ - انفال - ۲۰) - "اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو، اور (اطاعت کے) اس (حکم) کو سن کر (پھر اس سے) روگردانی نہ کرو"۔ جب حکم خواہ خصوصی امر کا ہو یا عمومی اطاعت کا، آجائے گا تو اب تعمیل واجب ہے، اور روگردانی باعث بدنصیبی، بلکہ کفر۔

○ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَاتَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِیْحُكُمْ وَا صْبِرُوْا ط اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ○ (۸ -انفال - ۴۶) - "اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو (تاکہ اس مرکزیت کی وجہ سے تمہارا نظم و ضبط برقرار رہے)، اور آپس میں (اجتماعی، ملّی، یا انفرادی) جھگڑے (کشمکش یا اختلافات) مت کرو، ورنہ (اس انتشارِ قوت کی وجہ سے) تمہارے حوصلے پست ہو جائیں گے، اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی (اور وہ رعب جو تمہاری یکجہتی، یک دلی اور یک رنگی کی بنا پر دشمن پر چھایا ہوا ہے، جاتا رہے گا) اور (اگر کوئی داخلی یا خارجی مشکلات یا ناگوار صورتِ حال پیدا بھی ہو جائے تو) صبر (و استقلال) سے کام لو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔ اور اس صبر و استقامت اور اطاعتِ حق اور اطاعتِ رسولؐ میں ہی فوز و فلاح، کامیابی و کامرانی اور فتح و نصرت کا راز مضمر ہے۔

○ .... وَیُطِیْعُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ ط اُولٰٓئِكَ سَیَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ط اِنَّ اللّٰهَ

کی، اس لئے کہ بندوں کے پاس وساطتِ رسولؐ کے بغیر علم اور منشائے الٰہی جاننے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے)، تو ہدایت پر (قائم) رہو گے، اور رسولؐ کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا (ہی) ہے"۔ نہ کہ کسی کو ہدایت پر مجبور کر دینا۔

- ...... وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (۲۴-نور-۵۶) - (اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو) "اور رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے"۔ اطاعتِ رسولؐ کی بار بار تاکید سوائے اس کے اور کیا ظاہر کرتی ہے، کہ یہ حکم اٹل ہے، اور اس کی شدت سے پابندی مقصود ہے، فقط یہ اطاعت ہی باعثِ رحمت ہے، اور اس سے روگردانی رحمت سے محرومی ہے۔

- وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ط اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْہِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَہْلَ الْبَیْتِ وَیُطَہِّرَ کُمْ تَطْہِیْراً ○ (۳۳ - احزاب - ۳۳) - پھر تمام مومن عورتوں سے نبیؐ کی ازواج کی وساطت سے خطاب ہوتا ہے کہ [اپنے گھروں میں قرار سے رہو، (بلا ضرورت گھروں سے باہر نہ نکلو)، اور نماز کی پابندی کرو، اور زکات دیا کرو،] "اور اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا حکم مانو اور اے نبیؐ کے گھر والو! اللہ تو بس یہی چاہتا ہے (اور اس حکم میں اس کی یہی مصلحت ہے) کہ تم سے آلودگی کو دور رکھے اور (معصیت و نافرمانی سے پاک رکھ کر) تم میں خوب جلا پیدا کر دے"۔

- یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْہُہُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ○ (۳۳ - احزاب - ۶۶) - "(اور وہ دن یاد رکھیئے) جس دن ان (رسولؐ کے نافرمانوں) کے چہرے آگ میں اُلٹ پلٹ کئے جائیں گے، وہ کہیں گے کہ کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی،اور اس کے

○ اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ (۲۴- نور - ۵۱) - "ایمان والوں کا قول (اور عمل) تو یہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف طلب کیا جاتا ہے، تاکہ (رسولؐ) ان کے درمیان فیصلہ کر دیں، تو وہ (فوراً) کہہ اٹھتے ہیں کہ ہم نے سن لیا اور مان لیا (اور مان کر اس پر عمل پیرا بھی ہو جاتے ہیں، یعنی حاضر ہو کر حکم بجالاتے ہیں) تو ایسے ہی لوگ ہیں جو فلاح یاب ہیں"۔

واضح رہے کہ رسولؐ کی اطاعت میں نائب رسول یا حاکم شریعت کی اطاعت بھی شامل ہے۔

○ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَخْشَ اللّٰهَ وَيَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ○ (۲۴ - نور - ۵۲) - "اور جو بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا اور اللہ سے ڈرے گا اور اس کی نافرمانی سے بچے گا (گویا رسولؐ کی فرمانبرداری اللہ سے ڈرنے، اور تقویٰ کے مترادف ہے، اور اس کا برعکس اس کی نافرمانی، اللہ سے بے خوفی بلکہ کفر ہے) تو بس ایسے لوگ ہی بامراد ہوں گے"۔

○ قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ج فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ط وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ط وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ○ (۲۴ - نور - ۵۴) - "آپ فرما دیجئے، کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو، پھر اگر (اس اطاعت سے) روگردانی کرو گے تو (سمجھ لو) کہ رسولؐ کے ذمے (تو) اسی قدر ہے جس کا بار اُن پر رکھا گیا ہے، اور تمہارے اوپر اسی قدر، جس کا بار تم پر رکھا گیا ہے، اور اگر تم نے ان کی اطاعت کرلی (جو عین اطاعت ہے اللہ

کی، اس لئے کہ بندوں کے پاس وساطتِ رسولؐ کے بغیر حکم اور منشائے الٰہی جاننے کا کوئی اور ذریعہ نہیں ہے)، تو ہدایت پر (قائم) رہو گے، اور رسولؐ کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا (ہی) ہے"۔ نہ کہ کس کو ہدایت پر مجبور کر دینا۔

○ ...... وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ○ (۲۴-نور-۵۶) - (اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ ادا کرتے رہو) "اور رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو، تاکہ تم پر رحمت کی جائے"۔ اطاعتِ رسولؐ کی بار بار تاکید سوائے اس کے اور کیا ظاہر کرتی ہے، کہ یہ حکم اٹل ہے، اور اس کی شدت سے پابندی مقصود ہے، فقط یہ اطاعت ہی باعثِ رحمت ہے، اور اس سے روگردانی رحمت سے محرومی ہے۔

○ وَاَطِعْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ؕ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَ کُمْ تَطْھِیْراً ○ (۳۳ - احزاب - ۳۳) - پھر تمام مومن عورتوں سے نبیؐ کی ازواج کی وساطت سے خطاب ہوتا ہے کہ [اپنے گھروں میں قرار سے رہو، (بلا ضرورت گھروں سے باہر نہ نکلو)، اور نماز کی پابندی کرو، اور زکات دیا کرو،] "اور اللہ کا اور اس کے رسولؐ کا حکم مانو اور اے نبیؐ کے گھر والو! اللہ تو بس یہی چاہتا ہے (اور اس حکم میں اس کی یہی مصلحت ہے) کہ تم سے آلودگی کو دور رکھے اور (معصیت و نافرمانی سے پاک رکھ کر) تم میں خوب جلا پیدا کر دے"۔

○ یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْھُھُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰہَ وَ اَطَعْنَا الرَّسُوْلَا ○ (۳۳ - احزاب - ۶۶) - "(اور وہ دن یاد رکھیے) جس دن ان (رسولؐ کے نافرمانوں) کے چہرے آگ میں اُلٹ پلٹ کئے جائیں گے، وہ کہیں گے کہ کاش ہم نے اللہ کی اطاعت کی ہوتی، اور اس کے

رسولؐ کی اطاعت کی ہوتی"۔ تو آج اس عذاب سے محفوظ ہوتے۔

○ يُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه‘ فَقَدْ فَازَ فَوْزاً عَظِيْماً ○ (۳۳ - احزاب - ۷۱) - (اللہ) "تمہارے اعمال قبول کرے گا اور تمہارے گناہ معاف کردے گا، اور جس کسی نے (بھی) اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے (دنیا اور آخرت دونوں زندگیوں میں) بڑی کامیابی حاصل کرلی"۔

یہ آیت گویا وعدۂ الٰہی ہے، جو اطاعت الٰہی کے ساتھ اطاعت رسولؐ کے ثمر کا وعدہ کرتی ہے، اور اللہ کبھی اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔

○ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَه‘ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ج وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَاباً اَلِيْماً ○ (۴۸ - فتح - ۱۷) - "اور جو بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا (اللہ) اسے ایسے باغوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی، اور جو (اس اطاعت سے) روگردانی کرے گا، اسے دردناک عذاب کی سزا دے گا"۔ گویا اطاعت و اعراض دونوں کی راہیں کھلی ہیں، اور ان پر گام زن ہونے کے نتائج بھی واضح ہیں، اب کوئی جو چاہے وہ راستہ اختیار کرے۔

○ وَاِنْ تُطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَه‘ لَا يَلِتْكُمْ مِّنْ اَعْمَالِكُمْ شَيْئاً ○ (۴۹ - حجرات - ۱۴) - [بعض گنوار لوگ کہتے ہیں، ہم ایمان لے آئے، آپ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے، ہاں یہ کہو کہ ہم اسلام لے آئے (جو ایک ضابطے کی چیز ہے اور جس کا تعلق قول اور ظاہر سے ہے)، اور ایمان تو ابھی تمہارے دلوں میں داخل بھی نہیں ہوا، (کیونکہ ایمان تو ایک باطنی حقیقت ہے، جس کا تعلق قلب کی تصدیق سے ہے] "اور اگر تم (واقعی)

اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اختیار کرلو، تو وہ تمہارے اعمال میں سے ذرا بھی کم نہ کرے گا"۔

گویا ایمان اور تمام اعمال کی بنیاد اطاعت پر ہے، اور اللہ کی اطاعت ناممکن ہے جب تک رسولؐ کی اطاعت نہ ہو، کیونکہ اللہ کی ذات، اس کے احکام اور اس کی شریعت کے علم کا ذریعہ صرف اور صرف رسولؐ کی ذاتِ مکرم ہے۔ اور اللہ نے اپنی اطاعت کو رسولؐ کی اطاعت گردانا ہے۔

- وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَاللّٰهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ (۵۸ - مجادلہ - ۱۳) - "اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی، اور اللہ کو تمہارے اعمال کی (ان کی ظاہری صورت کے لحاظ سے بھی اور ان کی باطنی کیفیات کی بھی) پوری خبر ہے"۔ اس لئے صدقِ دل سے اطاعت کرو۔

- وَأَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ ۚ فَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَإِنَّمَا عَلَىٰ رَسُولِنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ (۶۴ - تغابن - ۱۲) - "اور تم اطاعت کرو اللہ کی، اور اطاعت کرو رسولؐ کی، پھر اگر تم نے (اس سے) روگردانی کی (تو نتائج کی ذمہ داری صرف تمہاری ہوگی)، اس لئے کہ ہمارے رسولؐ کی ذمہ داری تو (ہمارے احکام کو) صرف صاف صاف پہنچا دینا ہے"۔ سو یہ فرض وہ بہ حسن و خوبی انجام دے چکے۔

۱۱۔ حاصل بحث

میری رائے میں قرآن کریم سے براہ راست حوالے یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں:-

☆ کہ رسولؐ کی فرمانبرداری ہی اللہ کی فرمانبرداری ہے۔ اور اللہ کی فرمانبرداری دراصل رسولؐ کی فرمانبرداری کے مترادف ہے۔

☆ کہ بالآخر تمام اختلافات کے فیصلوں کے لئے اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا، اور رسولؐ کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہی متصور ہوگا۔

☆ کہ رسولؐ کا عمل فی الواقع اللہ کا عمل ہے۔

☆ اور رسولؐ کی اطاعت، اور اس کے فیصلوں سے روگردانی، اللہ کی اطاعت کی تردید ہے، اور اس لئے کفر ہے۔

اب اس امر سے مفر نہیں ہے کہ آپ رسول کریمؐ کے اسوۂ حسنہ اور ان کے ہر عمل (سیرت)، نیز ان کے ہر فرمان اور قول (حدیث) کا مکمل اتباع کریں، ان احادیث میں حدیث قدسی سب سے زیادہ معتبر اور درجے میں اعلیٰ ترین حیثیت کی حامل ہے، اور اگر اس امر میں ایک نقطے کے برابر بھی شک و شبہ یا کمزوری ہے تو پھر خسارہ ہی خسارہ ہے۔

کی محمدؐ سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ کو تازیست یہ ندامت رہی کہ صلح نامہ حدیبیہ کی بظاہر "توہین آمیز" شرائط کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے خدا کے رسولؐ کے سامنے اپنی آواز بھی کیوں بلند کی اور آپ سے یہ دریافت کرنے کی جرأت کی کہ کیا یہ آپ کی ذاتی رائے ہے یا حکم خداوندی؟

یہ بات بے وجہ نہیں ہے کہ دشمنان اسلام اتنی مخالفت قرآن کی نہیں کرتے جتنے حملے اور اعتراضات رسول کریمؐ کی ذات مبارکہ پر کرتے ہیں، ان کا اصل ہدف حضورؐ کی ذاتِ گرامی اور مسلمانوں کی اس حالتِ ادبار میں بھی آپؐ کے ساتھ وہ بے پناہ محبت اور ناقابلِ شکست وفاداری ہے، کہ آپؐ کے تحفظِ ناموس میں ہر وقت اپنی جانیں

ہتھیلی پر لئے تیار رہتے ہیں۔ اس لئے اغیار کی کوشش ہے کہ آپؐ پر اتہام تراشی اور دیگر حیلوں سے کمزور ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کردیئے جائیں، تاکہ انہیں آپؐ کی طرف سے بدظن کرکے، آپؐ کی محبت مسلمانوں کے دلوں سے ختم کردیں یا کم ازکم اس میں نقب لگادیں تو اسلام سے ان کی وابستگی، عیسائیت کی طرح خود بخود ذاتی مسئلہ بن کر کمزور پڑجائے گی۔

علامہ اقبال "ابلیس کا خطاب، اپنے سیاسی فرزندوں کے نام" میں اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔

وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو

(ضربِ کلیم)

اور خود اپنے بارے میں علامہ کا کہنا تو یہ تھا کہ:

"میں تو یہ بھی برداشت نہیں کرسکتا، کہ کوئی شخص میرے پاس آکر یہ کہے کہ: "تمہارے پیغمبر نے ایک دن میلے کپڑے پہنے ہوئے تھے"۔ (روزگارِ فقیر، جلد ۱، ص ۱۱۳)

ایک یہودی اور ایک منافق (بظاہر مسلمان) کے درمیان ایک تنازع ہوگیا، منافق مسلمان نے ایک یہودی سردار کعب بن اشرف کا نام فیصل کے طور پر تجویز کیا، اس کے برعکس یہودی نے آپؐ کو عادل اور امین جانتے ہوئے رسول کریمؐ کے نام نامی پر زور دیا، رسول اکرمؐ نے مقدمہ سننے کے بعد یہودی کے حق میں فیصلہ دے دیا، جس پر وہ منافق حضرت عمرؓ کی عدالت میں، جنہیں مدینے میں فیصلے کرنے کا اختیار تھا، اس امید پر فریادی ہوا کہ وہ اس کے "اسلام" کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے حق میں فیصلہ فرمائیں گے۔ جب حضرت عمرؓ کو علم ہوا کہ رسول کریمؐ اس مقدمے میں فیصلہ صادر فرماچکے ہیں تو انہوں نے بلا تاخیر میان سے تلوار نکالی اور اس "مسلمان" کا سر وہیں قلم کردیا، جس

کی منافقت رسول اکرمؐ کے فیصلے کو قبول نہ کر کے ظاہر ہوچکی تھی۔ فرمایا حضرت عمرؓ نے ، "یہی فیصلہ ہے ان لوگوں کے لئے جو خدا کے رسولؐ جیسے منصف کا فیصلہ قبول نہیں کرتے"۔ اور جب سے آپ کا لقب "فاروق" ہوا۔ (۴ -نساء - ۶۰ کی تفسیر میں مولانا شبیر احمد عثمانی کا حاشیہ)

بعد میں رسول اکرمؐ نے خود کعب بن اشرف کے قتل کے حکم بہ ایں وجہ دیا کہ وہ آپ کو بدگوئی، ہرزہ سرائی اور عیب جوئی کے ذریعہ ایذا دیتا تھا، چنانچہ بخلاف اور مشرکین کے اس کو بدوں دعوتِ اسلام قتل کیا گیا ہ ، یعنی وجہِ قتل ایذا اور اہانتِ رسولؐ تھی۔

یہ وہ خالص معیار ہیں جن کی کسوٹی پر متابعتِ رسولؐ پوری اترنی چاہیے۔

۱۲۔ قانونِ اہانتِ (رسولؐ)

سچ بات تو یہ ہے کہ میرے اور لاکھوں دوسرے لوگوں کے فہم سے یہ بالاتر ہے کہ کسی کو ایک ایسے قانون پر بھی اعتراض ہوسکتا ہے، جس کا مقصد اللہ کے تمام رسولوں کے ناموس کا تحفظ ہو، تاکہ ان میں سے بلاامتیاز کسی کے خلاف بھی کوئی دشنام طرازی یا توہین کا مرتکب نہ ہوسکے، کوئی عیسائی رسولِ کریمؐ کی رسالت اور ان کے خاتم النبیین ہونے پر ایمان نہیں رکھتا، نہ اس کے لئے کسی کو کہا یا مجبور کیا جاتا ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی وہ ایسے عقائد پر کاربند ہیں جو سراسر اسلام اور اسلامی عقائد سے متصادم ہیں، اس کے بارے میں بھی ان پر کوئی مقدمہ آج تک اس قانون کے تحت قائم نہیں ہوا۔

اندریں حالات احتجاج کا ایک ہی مقصد ہوسکتا ہے کہ انہیں مسلمانوں کی دل آزاری کر کے انہیں مشتعل کرنے کی کھلی چھٹی دے دی جائے، تاکہ دنیا مسلمانوں کے

ہ "کتاب الشفا"، اردو ترجمہ ص ۶۴۵، علامہ حافظ ابوالفضل قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی، ولادت ۱۰۸۳ء

بارے میں یہ رائے قائم کرسکے کہ یہ تو قرون وسطیٰ کے انتہا پسند ہیں، جو کسی قسم کا "اختلاف رائے" برداشت کرنے کے نااہل، بنیاد پرست اور دہشت گرد ہیں، (اور اس طرح ان پر مذہبی اقلیتوں پر جبر کرنے کا الزام دھر کے پابندیاں عائد کردی جائیں)۔

آپ کے خط کے بارے میں کہ "یہ ایک غلط قانون ہے" کم سے کم یہی بات کہی جاسکتی ہے کہ وہ بے دلیل ہے، میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ

☆ کیا اہانتِ رسولؐ کے خلاف یہ قانون عیسائیوں یا دوسرے غیر مسلموں کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرتا ہے؟

☆ کیا یہ انہیں عیسائیت یا جس مذہب سے بھی ان کا تعلق ہو اس پر قائم رہنے یا کاربند ہونے سے روکتا ہے؟

☆ کیا یہ قانون عیسائیوں یا دوسرے لوگوں کو اپنے عقائد کی تبلیغ سے روکتا ہے؟

☆ کیا یہ قانون کسی کو " اسلام" پر تنقید کرنے سے روکتا ہے؟ بشرطیکہ یہ تنقید قانون، اخلاق اور دلیل کے دائرے میں ہو، اور بدگوئی، سبّ و شتم، دشنام طرازی، ہرزہ سرائی، طعن و تضحیک اور اہانتِ رسالت کا ارتکاب نہ ہو!

☆ کیا یہ قانون ان سے کوئی ایسا تقاضا کرتا ہے کہ وہ پیغمبر اسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں لازمی طور پر کوئی کلمہ خیر ہی کہیں۔

یہ قانون ان سے ایسا کوئی مطالبہ نہیں کرتا، قانون کی جملہ دفعات کا تقاضا صرف اتنا ہے کہ کوئی بھی شخص، خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب و خیال سے ہو، رسول کریمؐ یا خدا کے کسی بھی پیغمبر کے خلاف ہرزہ سرائی، دشنام طرازی یا کسی دوسری صورت میں توہین کا مرتکب نہ ہو، کوئی معمولی غیرت مند شخص بھی اپنی ماں، بہن یا بیٹی تک کے خلاف ایسی کوئی حرکت برداشت نہیں کرتا، پھر ہم خیر البشر اور افضل الانبیاء رسول اکرمؐ کے خلاف کوئی ایسی بات کیسے قبول کرسکتے ہیں؟ جیسا عرض کیا جاچکا ہے، یہ

قانون تو تمام پیغمبروں کے ناموس و احترام کے تحفظ کا ضامن ہے، مسلمان کے ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ تمام پیغمبران الٰہی پر ایمان لائیں۔ کسی غیر مسلم سے یہ تقاضا نہیں ہے۔

حیرت ہے کہ ایک عام فرد کے ننگ و ناموس کے تحفظ کے لئے "ہتک عزت" کا قانون موجود ہے، احترامِ عدالت کا یہ اہتمام ہے کہ آئین کی نگاہ میں توہینِ عدالت بھی قابلِ تعزیر ہے، اور ملک کا وزیراعظم بھی اس قانون کے اطلاق سے بجا طور پر مبّرا نہیں ہے، تو کیا تمام رسولوں کے امام، رحمت للعالمین، خاتم الانبیاءؐ، کافۃ الناس کے لئے مرجع ہدایت اور تا ابد رسالت کے حامل رسولؐ رحمت کی ہی ذاتِ گرامی اتنی غیر اہم کہ سرِ راہے اس پر (نعوذ باللہ) ہرزہ سرائی کی رخصتِ عام ہو۔

"آزادیءِ تحریر و تقریر"، "انسانی حقوق"، "جمہوریت" یا "مذہبی رواداری" کے نام پر کسی ایسے "حق" کا مطالبہ یا اس پر اصرار ان حقوق کی تضحیک سے کم نہیں۔

۱۳۔ اہانتِ رسولؐ، اقبالؒ، قائداعظمؒ اور امتِ مسلمہ

آپ نے اقبالؒ کا حوالہ دیا ہے، جس سے امید بندھتی ہے، کہ آپ ہم سب کی طرح ان کا احترام کرتے ہیں۔ اس لئے اقبال کے حوالے سے کچھ گفتگو نہایت سود مند ہوگی، اگر آپ نے بنظرِ غائر ان کا مطالعہ کیا ہے، تو آپ سے رسول کریمؐ کے بارے میں ان کا وہ سوز و گداز، عشق و محبت کی والہانہ کیفیت، یقین و ایمان کی بے مثل پختگی، عجز و انکسار، اپنی کم مائیگی، اور اپنے اعمال کے بارے میں روز محشر آپ سے اظہار شرمساری بلکہ آپ کو پاکر ہر دوسری نعمت سے بے نیازی کا وہ جذبہ پنہاں نہ ہوگا، جو تمام کلامِ اقبال میں جگہ جگہ بوئے گل کی طرح بکھرا ہوا تعمیرِ یقین کرتا ہے، تفصیل کی ضرورت نہیں، صرف چند مثالیں کافی ہوں گی۔

آپ کی ذاتِ گرامی کو محورِ ایمان اور آپ کی محبت و اطاعت کو بنیادِ دین اور

اساسِ قومیت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:-

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

(ارمغانِ حجاز۔ اردو)

"خود کو مصطفیٰؐ تک پہنچاؤ (اور ان کی معرفت حاصل کرو)، کہ وہی دراصل دینِ کامل ہیں، اگر تو اُن تک نہیں پہنچتا، اور تجھے ان کی ذات اور مرتبے کی پہچان نہیں ہوتی، تو اس کے بغیر تیری ساری تگ و دو اور علم و عمل بولہبی یعنی عین جہالت اور گمراہی ہے۔"

گویا رسولِ اکرمؐ نہ صرف پیغام برحق ہیں، بلکہ ان کی ذات مبارکہ خود دینِ کامل، اور اس کا نمونہ ہے۔

حشر کے دن ہر انسان کو اپنے خالق کا سامنا کرکے، حساب و کتاب کے مرحلے سے گزرنا ہے، اقبال بھی اپنے علم و فضل اور رسولِ کریمؐ سے اس عقیدت کے باوجود، ہر بشر کی طرح اس لمحہ ء فیصل سے خوف زدہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور امان کے طالب ہیں، تاہم وہ غافرِ الذُنوب اگر اپنی رحمت کو بروئے کار نہ لائے، اور حساب کی منزل ناگزیر ہو جائے، تو میزان عمل کا نتیجہ تو جو کچھ بھی ہو، اقبال کو سب سے زیادہ فکر اور حیا چشمِ محمدؐ سے ہے، کہ وہؐ جو اپنا پیغام بہ حُسن و خوبی پہنچا چکے، اور اسوۂ حسنہ سے راہِ عمل بھی متعین کر چکے، اب انہیں کیا منہ دکھائیں گے، چنانچہ رحلت سے صرف تین دن قبل، ۱۸۔ اپریل ۱۹۳۸ء کو (اور یہ غالباً ان کا آخری کلام ○ ہے) اللہ تعالیٰ سے فریاد کرتے ہیں:

○ یہ قطعہ چونکہ رحلت سے صرف تین دن پہلے کہا گیا، اس لئے ان کے کسی مجموعہ کلام میں شامل نہیں اور مجھے "روزگارِ فقیر" میں بھی نہیں ملا، بلکہ جناب احسان علی صابری صاحب پرنسپل گورنمنٹ کمرشل کالج سیالکوٹ نے رنگین طغرے کی صورت میں طبع کرکے کثیر تعداد میں تقسیم کیا ہے۔

تُو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذرہائے من پذیر
گر تومی بینی حسابم ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰؐ پنہاں بگیر

جس کا ترجمہ کچھ یوں ہو سکتا ہے:

میں گدا، تُو بے نیازِ ہر جہاں
حشر کے دن بخش دے مجھ کو اماں
لابدی ٹھہرے اگر فردِ حساب
رکھ اُسے چشمِ محمدؐ سے نہاں (ع۔س۔م)

محمدؐ سے حیاء کا مضمون ان کے اشعار میں جا بجا نظر آتا ہے، دوسری جگہ فرماتے ہیں:

بہ پایاں چوں رسد ایں عالمِ پیر
شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکُن رُسوا حضورِ خواجہؐ مارا
حسابِ من ز چشمِ اُو نہاں گیر (ارمغانِ حجاز)

اے خداوندِ عالم! " جب یہ جہاںِ پیر اپنی انتہا کو پہنچ جائے، اور ہر پوشیدہ تقدیر بے نقاب ہو جائے (تیرا لکھا پورا ہو اور یومِ حشر برپا ہو جائے) تو تُو مجھے میرے آقائے نامدار ﷺ کے سامنے رسوا نہ کرنا، اور میرے نامہَ اعمال کو انؐ کی نگاہوں سے پنہاں رکھنا (کیونکہ میرا اعمال نامہ اس قابل نہیں کہ ان کے سامنے پیش کیا جائے)۔

ایک اور جگہ غلامیِ درِ مصطفیٰؐ کی فضیلت، اور ان سے گریز پائی کو کفر گردانتے ہوئے یوں اظہار کرتے ہیں:-

کشودم پردہ را از رُوئے تقدیر
مشو نومید، راہِ مصطفیؐ گیر
اگر باور نہ داری آنچہ گفتم
زدیں بگریز و مرگِ کافرے میر (ارمغانِ حجاز)

میں نے چہرہ تقدیر سے پردہء راز اٹھادیا ہے، (اور اس کا حاصل یہ ہے کہ) تو ناامید مت ہو، اور نقشِ قدمِ محمدؐ مصطفیٰ پر گام زن رہ، اگر تجھے میری بات کا یقین نہیں ہے، تو (اس کا مطلب یہ ہے)، کہ تو دین سے ہٹ جائے گا، اور ایک کافر کی موت مرے گا۔

اطاعتِ رسولؐ کے بارے میں اگر اقبال کا "فتویٰ" آپ کے لئے معتبر ہے، تو پھر یہ اشعار کافی ہونے چاہئیں، تاہم آپ کی مزید تسلی کے لئے اقبال کے چند اور اشعار پیش کرنا نامناسب نہ ہوگا:

بگوئے تو گدازِ یک نوا بس
مرا ایں ابتدا، ایں انتہا بس
خرابِ جراَتِ آں رندِ پاکم
خدا را گفت، مارا مصطفیؐ بس (ارمغانِ حجاز)

اے اللہ! تیرے درِ عالی پر میری ایک ہی التجائے درد ہے، یہی میری ابتدا ہے، اور یہی بس انتہائے پروازِ آرزو، (میری اولین و آخری آرزو یہی ایک ہے) میں اس رندِ پاک کی جراَتِ کلام کا مست ہوں، جس نے خدا سے یہ تک کہہ دیا، کہ مجھے اور کوئی نعمت درکار نہیں، سوائے غلامیِ درِ مصطفیؐ کے، کہ میرے لئے یہی کافی ہے۔

پھر حضرت ابو بکر صدیقؓ کی زبان سے عرض کرتے ہیں:

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس! (بانگِ درا)

ملت اسلامیہ کے فرزندوں کو یوں نصیحت کرتے ہیں:

بمنزل کوش مانندِ مہِ نو
دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقامِ خویش اگر خواہی دریں دَیر
بحق دل بند و راہِ مصطفیؐ رَو! (ارمغانِ حجاز)

اپنی منزل کی طرف ماہِ نو کی طرح پیش قدمی کر (جو ایک تار کی ہئیت سے چودھویں کی شب تک ماہِ کامل کی صورت اختیار کرلیتا ہے، اسی طرح ناقص سے درجہء کمال کی طرف قدم بڑھا)، اور اس طرح اس فضائے نیلگوں میں دم بدم مائل بہ عروج ہو، اسی طرح اگر تو اس دنیا میں اپنے صحیح مقام کا خواہاں ہے، تو اپنے قلب کو حق کے لئے وقف کردے اور نقشِ قدمِ محمد مصطفیٰ ؐ کی پیروی کر، (کہ یہی حق ہے)۔

یہ بھی یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ اسی کتاب یعنی "ارمغانِ حجاز" کے باب "حضورِ رسالتؐ" کا آغاز اقبال نے عزت بخاری کے اس شعر سے کیا ہے:

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

(عزت بخاری)

آسمان کے سائے تلے آستانہ محمد مصطفیؐ، ادب کا عرش سے بھی نازک تر وہ مقام ہے، کہ جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے بزرگانِ کرام بھی جب یہاں حاضری دیتے ہیں، تو (آپؐ کی ہیبتِ جلال سے) دم سادھ کر آتے ہیں،

(اور انہیں اپنی ذات یا حیثیت کا کچھ ہوش نہیں رہتا اور یہی ان کی معراجِ عشرت ہے)۔

میں نے یہاں اقبال کے صرف چند اشعار کا حوالہ دیا ہے، ورنہ ان کے تمام مجموعہ ہائے کلام اسی والہانہ شیفتگی، محبت، عقیدت، عجز اور آپ کی ذاتِ اقدس کے سامنے اپنی ذات کی فنا سے بھرے پڑے ہیں، اگر کسی کو شوق ہو تو اس ضمن میں "اسرارِ خودی" کا بالخصوص مطالعہ کرے۔

دنیا کی ہر زبان مدحتِ سرورِ کونینؐ کی خوشبو سے معطر ہے، خود اقبال نے "پیام مشرق" میں گوئٹے کی طویل نظم "نغمۂ محمدؐ" کا ترجمہ "جوئے آب" کے روح پرور عنوان سے شامل کیا ہے۔ ایک نہایت ہی اعلیٰ پائے کا شعر جو بہت مشہور ہے۔ اور جس کا حوالہ اکثر دیا جاتا ہے، لیکن بد قسمتی سے شاعر کا نام معلوم نہیں ہو سکا، یہ ہے:-

ہزار بار بشویم دہن زمشک و گلاب
ہنوز نامِ تو گفتن کمال بے ادبی است

آپ کی شان عُلا کا مرتبہ یہ ہے، کہ میں ہزار بار بھی اپنے منہ کو مشک اور گلاب سے دھو کر پاک کروں، پھر بھی آپ کا نام نامی لینا کمال کی بے ادبی ہو گا، یعنی آپ کی شان عُلا ایسی ہے کہ میرا منہ اس قابل نہیں کہ آپ کے اسم گرامی کا ورد بھی کر سکے۔

غالبؔ جیسا قلم کا دھنی اور اردو و فارسی دونوں زبانوں پر عبور رکھنے والا اور آزاد خیال شاعر بھی جب اپنے آپ کو صفاتِ محمدیؐ لکھنے پر مجبور پاتا ہے، تو اپنے عجز کا اعتراف یوں کرتا ہے کہ:

غالبؔ ثنائے خواجہؐ خدا را گزاشتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

اے غالب! میں اس قابل کہاں، اور میرے پاس وہ الفاظ کہاں کہ آقائے دوجہاں، احمد مختار، محمد مصطفیؐ کی ثنا رقم کرسکوں، اس لئے اس کام کو خدا پر چھوڑتا ہوں کہ اس کی ذاتِ پاک سے بڑھ کر محمدؐ کے مدارج و مراتب سے واقف اور کون ہوسکتا ہے!

شعر و ادب کے حوالوں کے بعد اور بالخصوص اقبال کے بارے میں یہ بھی آپ کے علم میں ہوگا کہ:

۱۴۔ غازی علم الدین شہید

جب ۱۹۲۳ء میں لاہور کے غازی علم الدین نے "رنگیلا رسول" ○ کے مصنف راجپال کو قتل کیا تو اقبال اس کے لئے مجسم ستایش تھے، یاد رہے کہ راجپال پر انگریزی قانون کے تحت مقدمہ چلا، عدالت سے اُسے نہایت معمولی سزا ہوئی، جسے عدالت عالیہ کے چیف جسٹس سر شادی لال نے اپیل میں منسوخ کرکے راجپال کو بری کردیا۔

ستمبر ۱۹۲۷ء میں ایک دل برداشتہ غیرت مند مسلمان خدا بخش نے راجپال پر حملہ کردیا، لیکن یہ حملہ ناکام رہا، لیکن خدا بخش کو سات سال کی سزا ہوگئی، ایک ماہ بعد اکتوبر ۱۹۲۷ء میں رسول اکرمؐ کے ایک اور فدائی عبدالعزیز نے راجپال کو پھر جہنم واصل کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ بچ نکلا، تاہم عبدالعزیز جانثار کو ۱۴ سال کی سزا ہوئی۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے اپریل ۱۹۲۹ء میں غازی علم الدین نے راجپال کو قتل کرڈالا اور اپنے اس اعتراف پر ڈٹا رہا کہ اس نے فوری اشتعال کے تحت نہیں بلکہ بقائمی ہوش و حواس عمداً اہانتِ رسولؐ کا انتقام لینے کے لئے یہ کارنامہ سرانجام دیا ہے۔

○ "نقلِ کفر، کفر نباشد" کے محاورے کے باوجود اس کتاب کا نام لکھنا بھی سوءِ ادب سمجھتا ہوں، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ سے مغفرت و عفو کا طلبگار ہوں۔ ابوالامتیاز

علامہ اقبال، کہ ایک سچے عاشقِ رسولؐ تھے، تمام مسلمانوں کی طرح ان واقعات سے بہت متاثر تھے، وہ نہ صرف غازی علم الدین کے مداح تھے، بلکہ رشک سے ان کی زبان پر بار بار یہ لفظ آتے تھے:

"اسیں گلاں کردے رہے، تے ترکھاناں دا منڈا بازی لے گیا۔"

(ہم باتیں بناتے رہے اور نجار کا لڑکا بازی لے گیا)۔

(بحوالہ روزگارِ فقیر میں پروفیسر سلیم چشتی

جلد ا۔ ص ۱۱۰ - ۱۱۱، جلد دوئم ص ۳۰)

غازی علم الدین کے اس اقدام کو ہندوستان بھر کے مسلمانوں کی طرف سے بے پناہ پذیرائی ملی، قائداعظم جیسی عظیم اور بلند پایہ پابندِ قانون شخصیت نے اس مقدمے میں علم الدین کا دفاع کیا، لیکن اس نے بہادری سے جام شہادت نوش کرنے کو ترجیح دی۔

۱۵۔ غازی عبدالقیوم ○

۱۹۳۳ء میں آریہ سماج حیدر آباد (سندھ) کے نتھورام نے "ہسٹری آف اسلام" نامی کتاب ☆ میں، جو "رنگیلا رسول" اور ایسی دوسری کتب سے ماخوذ مواد پر مشتمل تھی، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں سخت دریدہ دہنی کا مظاہرہ کیا، عدالت نے اسے نہایت معمولی سزا سنائی، کمشنر کی عدالت سے اس کی ضمانت بھی منظور ہو گئی، مسلمانوں میں اشتعال و اضطراب کا پھیلنا لازمی تھا۔

ستمبر ۱۹۳۴ء میں جب انگریزی عدالت میں نتھو رام کی اپیل زیر سماعت تھی، ملتِ اسلامیہ کا بطلِ عظیم عبدالقیوم جو پیشہ کے لحاظ سے ایک تانگہ بان تھا، چاقو لے کر

○ تفصیل کے لئے دیکھئے روزگارِ فقیر۔ جلد دوئم ص ۳۲ - ۳۸

☆ میں نے اپنے اصل خط میں نتھو رام کی کتاب کو اس وقت کی اطلاع کے مطابق "رنگیلا رسول" کا سندھی ترجمہ لکھا تھا، جو مندرجہ بالا حقیقت کی روشنی میں صرف جزوی طور پر صحیح تھا۔ ابوالامتیاز۔

بھری عدالت میں نتھو رام پر ٹوٹ پڑا اور اسے واصلِ جہنم کر کے چھوڑا، اس نے نہ صرف فرار ہونے کی کوئی کوشش نہیں کی، بلکہ ہنسی خوشی اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔ اور سزائے موت کا حکم سن کر کہا:

"جج صاحب! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے موت کی سزا دی، یہ ایک جان کس گنتی میں ہے، اگر میرے پاس لاکھ جانیں بھی ہوتیں، تو ناموسِ رسولؐ پر نچھاور کر دیتا"۔

مقدمے کے دوران میں علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا ظفر علی خاں اور سید عطا اللہ شاہ بخاری کو بطور گواہ طلب کرنے کی درخواست عدالت نے رد کر دی، اس کا مطلب یہ ہے کہ غازی عبدالقیوم کے عمل کو ان تمام بزرگوں کی بمعہ قائداعظم محمد علی جناح، پوری حمایت حاصل تھی، بلکہ شاید ہی اس زمانے میں یا آج کے دور میں بھی کوئی مسلمان ہو جو اس کا مخالف ہو، گویا ہندوستان کے مسلمانوں کا اس پر اجماع تھا۔

یہ امر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کہ غازی علم الدین کو بہت سے لوگوں نے اعتراف "جرم" سے انکار پر آمادہ کرنے کی کوشش کی، لیکن وہ ثابت قدم رہا، حتیٰ کہ فروری ۱۹۳۵ء میں کراچی کے سرکردہ مسلمانوں کا ایک وفد حکیم الامت علامہ اقبال کی خدمت میں لاہور پہنچا، اس وفد میں مولوی ثنا اللہ، عبدالخالق اور حاجی عبدالعزیز شامل تھے، انہوں نے علامہ سے اپیل کی کہ وہ اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لاتے ہوئے وائسرائے سے کم از کم یہی سفارش کریں کہ وہ غازی عبدالقیوم کی رحم کی اپیل منظور کر کے سزائے موت کو عمر قید ہی میں بدل دے، علامہ نے کچھ دیر سکوت کیا، اور پھر پوچھا:

"کیا عبدالقیوم کمزور پڑ گیا ہے؟"

جواب یہ تھا کہ ہرگز نہیں، اس کا کہنا تو یہ کہ "میں نے شہادت خریدی ہے، مجھے پھانسی کے پھندے سے بچانے کی کوشش مت کرو○"۔

○ تاریخ شہادت: ۱۹۔ مارچ ۱۹۳۵ء

علامہ کا چہرہ یہ سن کر تمتما اٹھا، انہوں نے برہمی کے لہجے میں فرمایا:

"جب وہ کہہ رہا ہے کہ میں نے شہادت خریدی ہے تو میں اس کے اجر و ثواب کی راہ میں کیسے حائل ہو سکتا ہوں، کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایسے مسلمان کے لئے وائسرائے کی خوشامد کروں، جو زندہ رہا تو غازی ہے، اور مر گیا تو شہید ہے"۔

اس وقت اہانتِ رسولؐ کے خلاف مسلمانوں کی داد رسی کے لئے کوئی موثر قانون موجود نہ تھا، جس کی وجہ سے انہیں ایسے فیصلے اپنے ذمے لینے پڑے، اگر قانون جامع اور موثر ہوتا، تو شاید اس براہ راست عملی اقدام کی ضرورت نہ ہوتی اور راجپال اور نتھو رام بذریعہ عدالتی عمل تختۂ دار پر چڑھتے۔ فیصل آباد کے ایوب مسیح، گوجرانوالہ کے یوسف مسیح (حال مقیم امریکہ)، انگلستان کے سلمان رشدی اور بنگلہ دیش کی تسلیمہ نسرین کی خوش قسمتی ہے کہ اب ایک قانون موجود ہے، جہاں کھلی عدالت مین ملزم پر مقدمہ چل سکتا ہے، اور سزا کی صورت میں اس کو متعدد اپیلوں کا حق بھی حاصل ہے۔ اور اگر وہ انصاف کی عدالت سے فرار اختیار کئے رکھتے ہیں، تو پھر خوف، اندیشوں، وسوسوں اور عدم تحفظ کی زندگی کا عذاب ان کا مقدر ہے، اور کوئی نعرے بازی اس سے نجات کا باعث نہیں بن سکتی۔ اس پر مزید بحث آئندہ صفحات میں آیت مبارکہ اِنَ الَّذِينَ يُؤْذُوْنَ (۳۳ - احزاب - ۵۷) کے تحت (ص ۱۲۰ پر) ملاحظہ فرمائی جاسکتی ہے۔

۱۶۔ اہانتِ رسول کے قانون کا تاریخی جائزہ

قانونِ اہانت کا وقتاً وقتاً ارتقاء قابل غور ہے، انگریزوں نے ۱۸۶۰ء میں تعزیرات ہند کا جو قانون نافذ کیا، اس میں بھی یہ دفعہ موجود تھی، جس میں حسبِ اقتضائے وقت ترمیم ہوتی گئی، تاہم اپنی اصلی شکل میں اس کے الفاظ یہ تھے:-

☆ ۲۹۵۔ "کوئی بھی شخص جو کسی عبادت گاہ یا کسی ایسی شے کو، جو کسی بھی جماعت کے لوگوں کے لئے باعث احترام ہو، اس نیت سے منہدم کرے، اسے نقصان پہنچائے یا اسے آلودہ (یا اس کی بے حرمتی) کرے، جس سے کسی جماعت کے مذہب کی توہین ہوتی ہو، یا اسے علم ہو کہ کوئی فرقہ یا جماعت اس انہدام، نقصان یا آلودگی (بے حرمتی) کا مطلب اسے اپنے مذہب کی توہین سمجھے گی، تو اسے دو سال تک (سادہ یا بامشقت) کسی بھی قید یا جرمانہ یا دونوں کی سزا دی جائے گی۔"

ظاہر ہے کہ اس قانون میں کوئی جان نہیں تھی، چنانچہ اس سے مطلوبہ مقاصد حاصل نہیں ہوئے، اور مساجد اور دیگر مذہبی آثار کی بے حرمتی جاری رہی، تاہم غور کرنے کی بات ہے کہ یہ دفعہ پھر بھی کسی ایک فرقے کے خلاف نہیں تھی۔

۱۹۲۷ء میں غالباً راجپال کے مقدمے اور قتل کے نتیجے کے طور پر اس قانون میں دفعہ ۲۹۵-۱ کا اضافہ ہوا، اور یہی دفعہ قیام پاکستان کے وقت اپنالی گئی، اس کا متن یہ ہے:-

☆ ۲۹۵-۱۔ "کوئی بھی شخص جو عمداً اور بری نیت کے ساتھ بذریعہ زبانی یا تحریری الفاظ یا بدیہی طور پر ظاہر اشارات کے ذریعہ کسی جماعت کے مذہب یا مذہبی اعتقادات کی توہین، یا توہین کی کوشش کرے گا، وہ ہر دو طرح کی سزا بہ مدت دس سال، یا جرمانہ، یا دونوں کا مستوجب ہوگا۔"

شرپسند ذہنوں کے لئے سزائے قید کی معیاد کا دو سال سے بڑھ کر دس سال ہو جانا بھی موثر سدِراہ ثابت نہ ہوا، کیونکہ ثبوت کی عدم فراہمی یا مقدمے کی بندش میں جھول رہ جانے کی وجہ سے سزا کا صحیح نفاذ نہ ہو پاتا۔

چنانچہ مساجد کی بے حرمتی اور ان پر قبضہ تک کیا جاتا رہا، مسجدِ کانپور اور مسجدِ شہید گنج کی مثالیں کافی ہیں، اس کے علاوہ اہانت آمیز مضامین یا کتب کا سلسلہ جاری رہا،

جیسا کہ نتھو رام کی کتاب، جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا۔ اس قسم کی اشتعال انگیزی اور فساد کو روکنے کے لئے ان دفعات میں بمطابق ذیل ترامیم ہوتی رہیں:۔

☆ ۲۹۵۔ ب۔ "کوئی بھی شخص جو جان بوجھ کر قرآن کریم یا اس کے کسی جزو کی بے حرمتی، نقصان زدگی یا ناپاک کرنے کا باعث ہوگا، یا اسے بے قدری سے کسی غیر قانونی کام میں استعمال میں لائے گا، وہ عمر قید کا سزاوار ہوگا۔"

جنرل ضیاء الحق کے دور میں تعزیرات پاکستان میں دفعہ ۲۹۵۔ ج کا اضافہ کیا گیا، ہر چند کہ ایک "مسلمان" کذاب اور اس کا مذہب تقریباً ۹۰ - ۱۰۰ سال سے انگریزوں کے زیر سایہ پرورش پاتا رہا تھا، تاہم امت مسلمہ اس فتنے کی ابتدا ہی سے اس کا بطلان، ملامت، مذمت اور مخالفت کرتی آئی تھی۔ اس سو سالہ جدوجہد اور نہ جانے کتنی جانوں کی قربانی کے بعد یہ ممکن ہوا کہ حکومت پاکستان نے انہیں غیر مسلم قرار دے دیا، اس سے ایک نئی صورت حال پیدا ہوگئی، جس کی تہ میں اس عقیدے کا تحفظ تھا کہ پیغمبر اسلامؐ خاتم النبیّن ہیں، اور اس عقیدے کو ایک سنگ بنیاد کی حیثیت حاصل ہے، اس دفعہ کے الفاظ یہ ہیں۔

☆ ۲۹۵۔ ج۔ "جو شخص بھی زبانی یا تحریری الفاظ، یا ظاہری حرکات، اتہام، نسبت، طعن آمیز اشارے یا کنائے سے بلاواسطہ طور پر نبی کریم حضرت محمدؐ کے مبارک نام کی بے حرمتی کرے گا، وہ جرمانے کے علاوہ سزائے موت یا عمر قید کا مستوجب ہوگا۔"

وفاقی شرعی عدالت نے جو دور حاضر میں اسلام کے بہترین ماہرین قانون پر مشتمل تھی، اور جس پر بجا طور پر " أُولِي الأَمْرِ مِنكُمْ " کا اطلاق ہو سکتا ہے، اس میں سے "عمر قید" کے الفاظ حذف کر دیئے اور اجماع امت کے فیصلے کے مطابق سزائے موت حتمی قرار پائی۔

چنانچہ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ اہانت رسولؐ کے قانون کے پس منظر میں ایک طرف تو ہندو مسلمان تعلقات، قرآن کی بے حرمتی، مساجد کی بے حرمتی اور ان کے انہدام، اشتعال انگیز مواد کی طباعت و اشاعت اور اب ایک معاند گروہ "احمدیہ جماعت" کی طویل تاریخ ہے، جو اپنے آپ کو "مسلمان" کہنے کے باوجود، "اتمام دین" اور "ختم نبوت" کے بنیادی اسلامی عقائد پر ضرب کاری لگانے میں مصروف ہے، اور دوسری طرف ایک نہایت چھوٹی سی "عیسائی" اقلیت ہے، جو فوجی اور معاشی طور پر نہایت طاقتور، اسلام دشمن، خارجی حکومتوں کے بہکاوے اور ان کی اعانت سے یکایک متحرک ہو گئی ہے، برطانوی دور میں اس قسم کی ذہنیت کا مظاہرہ اینگلو انڈین لوگوں کی طرف سے ہوتا تھا، جو (اپنی دوغلی نسل کی وجہ سے) اپنے آپ کو حاکموں کے نمائندہ (بلکہ خود حاکم) اور انگلستان کو اپنا وطن سمجھتے تھے، کیا اب پاکستانی عیسائیوں کو بھی کوئی ایسی یقین دہانی کرادی گئی ہے کہ انہیں وہی اینگلو انڈین لوگوں جیسے تحفظات حاصل ہیں؟

لیکن یہ تو برصغیر کے سیاق و سباق میں اس کا محدود پس منظر ہے، مجموعی طور پر بھی ملتِ محمدیہ میں گزشتہ ۱۴ صدیوں سے اہانتِ رسولؐ کی اس سزا پر اجماع موجود ہے، جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے، کہ اہانتِ مذہبی شعار کے خلاف یہ قانون تو کسی نہ کسی صورت میں گزشتہ ایک سو چالیس (۱۴۰) سال سے موجود ہے، اور جیسا متن سے ظاہر ہے، کسی ایک فرقے، جماعت یا مذہب کے خلاف بھی نہیں ہے، جس طرح برطانوی دور میں اس میں مختلف اوقات میں، تجربے کی روشنی میں ترمیم ہوتی رہی، اسی ارتقائی عمل کے تحت اس میں پاکستان بننے کے بعد بھی چند بار ترمیم ہوئی۔ یا یوں کہیے کہ انگریزی قانون نظریۂ پاکستان کے مطابق مشرف بہ اسلام کیا گیا۔ حیرت ہے کہ جب یہ کوئی نئی بات نہیں اور کسی کے خلاف بھی نہیں تو پھر یہ تاحال امن پسند، خاموش طبع عیسائی اقلیتی کمیونٹی یکایک ایسی متحرک اور جارحیت پسند کیسے ہو گئی؟

۱۷۔ امتیازی سلوک کہاں ہے؟

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ قانون میں کہیں بھی عیسائیوں یا کسی دوسرے طبقے یا فرقے کا نام بلکہ اشارہ تک نہیں ہے، پھر بھی اگر کوئی مصر ہے کہ یہ قانون خاص اسی کے لئے وضع کیا گیا ہے تو یہ چور کی داڑھی میں تنکے کے مترادف ہے، اور سوائے نیتِ بد کے، اس کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے۔ یہاں دو سوال کئے جاسکتے ہیں:-

الف باوجویکہ قانون ان کو مدنظر رکھ کر مدون نہیں کیا گیا، کیا عیسائی اہانتِ رسول اللہ (نعوذ باللہ) کے ارتکاب کی کھلی رخصت چاہتے ہیں؟ اور کیوں؟

ب اگر قانون کی دفعات کسی طبقے کے واقعی خلاف ہیں، تو کیا خدا کا کوئی بندہ قانون کے الفاظ، اس کے مطالب یا روح سے اس کا تجزیہ کرکے اس کی نشاندہی کرے گا؟

اگر ان دونوں سوالوں کا جواب نفی میں ہے اور یقیناً نفی میں ہے، تو اس مبینہ مسئلے کی وجوہات ہمیں اس قانون میں نہیں، دوسرے عوامل میں تلاش کرنا ہوں گی۔

تاہم یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ مسلمان قوم، محض اس لئے کہ دوسرے انہیں "آزاد خیالی" یا "بُردباری" کی سند عطا کردیں گے، کسی حالت میں بھی اپنے نبی مکرمؐ کی محبوب و محترم ذات کے خلاف بدگوئی، ہرزہ سرائی، زبان درازی، دشنام تراشی، اتہام طرازی، یا اہانت کی اجازت نہیں دے سکتی۔

غور طلب بات ہے کہ پاکستان میں اہانتِ رسولؐ کے الزام میں قتل ہونے والا ایک شخص مسلمان تھا، جسے ایک مسلمان ہجوم نے مار ڈالا، یہ ایک نہایت افسوسناک واقعہ تھا، خواہ مرنے والا غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوتا، اس پر عدالت میں مقدمہ چلنا چاہیئے تھا، لیکن وہ ایک مشتعل ہجوم کے غیض و غضب کا شکار ہوا، نہ کہ اہانتِ رسولؐ کے

قانون کا، بد قسمتی سے منظور مسیح بھی عدالت سے بریت کے بعد اسی طرح عوام کے غیض و غضب کا نشانہ بنا،اسے ایک مسلمان جج عارف اقبال بھٹی نے ۱۹۹۵ء میں (نہایت عجلت میں) بری کر دیا تھا، اس کے ساتھ سلامت مسیح اور رحمت مسیح بھی بری قرار دیئے گئے، لیکن اس وقت (بے نظیر کے دور حکومت میں) جس تیز رفتاری سے مقدمے کا فیصلہ ہوا، ملزمان فوری طور پر بری کر دیئے گئے، ان میں سے دو یعنی سلامت مسیح اور رحمت مسیح کے ویزوں، ٹکٹوں اور زر مبادلہ کا انتظام بھی آناً فاناً ہو گیا، گویا یہ سب کچھ پہلے سے متوقع تھا، اور وہ بیرون ملک فرار ہوگئے، اس سے عوام الناس میں بے نظیر حکومت کے مغربی حکومتوں سے نیاز مندانہ رویئے کے مدنظر، عدالتی کارروائی کے بارے میں شکوک و شبہات پھیلنا لازم تھا، چنانچہ نہ صرف ان کا تیسرا ساتھی منظور مسیح بلکہ مسلمان جج عارف اقبال بھٹی بھی مقتول ہوا، گویا امتیازی سلوک یہاں بھی نہیں ہوا۔

قتل کے ان واقعات کی جتنی مذمت کی جائے، کم ہے، تاہم یہ بات واضح ہے:۔

۱۔ کہ یہ سزائیں عدالت کی طرف سے اہانتِ رسولؐ کے قانون کے تحت نہیں سنائی گئی تھیں، اس لئے قانون کو غلط کہنا یا اس کی مذمت کرنا درست نہ ہوگا۔

۲۔ اور اگر کسی بیمار ذہن کے لئے باعث تسکین ہو تو یہ بھی حقیقت ہے کہ جاہل ہجوم کے اس غیض و غضب کا نشان، بغیر کسی امتیازی سلوک کے، مسلم اور غیر مسلم دونوں بنے۔

سوچنے کی بات ہے کہ جہاں ناموس رسالتؐ کا سوال ہو، وہاں مسلمان کسی "مسلمان" یا غیر مسلم میں فرق نہیں کرتے۔ بلکہ جیسا غازی علم الدین اور غازی عبدالقیوم کی مثالوں سے ظاہر ہے اپنی جانوں کی پروا بھی نہیں کرتے، قابل مذمت ہونے کے باوجود یہ غور طلب امر ہے کہ عدالت تو درکنار لوگوں کے ہجوم نے بھی غیر مسلموں کے خلاف کسی تعصب کا مظاہرہ نہیں کیا، اور ایک غیر مسلم منظور مسیح کے

مقابلے میں دو مسلمانوں --- یعنی ایک مولوی اور ایک جج --- کو بھی اسی الزام میں قتل کردیا۔

اور اگر ان کو اعتماد ہوتا کہ جج نے سیاسی دباؤ کے تحت فیصلہ نہیں کیا، یا اہانتِ رسولؐ کا قانون صحیح طور پر نافذ العمل ہوا ہے، تو ایسے ردِ عمل کی نوبت نہ آتی۔

۱۸۔ قانون اہانتِ رسولؐ کی ضرورت

مندرجہ بالا واقعات سے یہ مترشح ہے:-

ا۔ کہ مولوی حضرات، اسلام، اور اہانتِ رسولؐ کے قانون کے خلاف کتنا بھی واویلا مچایا یا پروپیگنڈا کیا جائے، مسلمان (۹۵ فیصد پاکستانی) اس بارے میں سخت حساس واقع ہوئے ہیں۔

ب۔ اور نہ صرف مذہبی نقطۂ نگاہ سے بلکہ ۹۵ فیصد اکثریت کی جمہوری حق رسی کے لئے بھی یہ لازم ہے کہ اہانتِ رسولؐ کے قانون کا نفاذ سختی سے ہو، اور وہ نفاذ نظر بھی آئے جیسا کہ انصاف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ عدالت میں انصاف نہ صرف ہونا چاہیے، بلکہ ہوتا ہوا نظر بھی آنا چاہیے۔ مبادا لوگ قانون اپنے ہاتھوں میں لینے پر مجبور ہو جائیں، اور امریکہ کی طرح، جو آج "حقوق انسانی" کی علمبرداری کا سب سے بڑا دعویدار ہے (ہر چند کہ وہ ان حقوق کا سب سے بڑا استحصالی اور کمزور ممالک میں استحصالی حکومتوں کا سرپرست ہے)، لوگ برسر عام سیاہ فاموں کی طرح ملزموں کی تکا بوٹی کرنے پر تل جائیں۔

ج۔ اس ضمن میں بیرونی طاقتوں کا دباؤ برداشت نہ کیا جائے، اور کسی اثر و اندیشہ کے بغیر عدالتیں میزان عدل پر درست فیصلے کر سکیں۔

دلچسپ بات تو یہ ہے کہ انگلستان میں بھی "اہانت" کا قانون نافذ ہے، لیکن وہ

امتیازی قانون ہے اور صرف حضرت عیسیٰؑ کے ناموس کا تحفظ کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں سلمان رشدی جیسے لوگوں کو پیغمبر اسلامؐ کے خلاف دریدہ دہنی اور کھل کھیلنے کی کھلی اجازت ہے، بلکہ حکومت اس مذموم حرکت پر اسے تحفظ بھی فراہم کرتی ہے، جبکہ پاکستان کا قانون تمام مذاہب کے پیغامبروں کے تحفظ ناموس کا ضامن ہے۔

۱۹۔ ایک "ناقص" قانون --- کیا یہ ختم کردیا جائے؟

ایک گھسی پٹی دلیل یہ دی جاتی ہے کہ چونکہ لوگ اپنی ذاتی دشمنیوں کا بدلہ لینے کے لئے دوسروں کو غلط طور پر ملوث کرکے اس قانون کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، اس لئے اسے ختم کردیا جائے، یہ نہایت بودی دلیل ہے۔

اول تو کسی نے اس طرح ناجائز فائدہ اٹھانے کے اعداد و شمار جمع نہیں کئے، دوسرے جائیداد، شراکت، شادی بیاہ، طلاق، نقص امن، حق شفعہ، قانون تعمیرات، اراضی، چوری، ڈاکہ زنی وغیرہ --- غرضیکہ ہر شعبہ زندگی کے بارے میں بے شمار قوانین موجود ہیں، جو لوگ ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرسکتے ہیں، اور کرتے ہیں۔ اس دلیل کی بنا پر کیا ان سب قوانین کو ختم کردیا جائے؟ اسی طرح بہت سی سہولتیں بھی میسر ہیں، مثلاً آب رسانی، بجلی، گیس، ٹیلی فون، ریل کا سفر وغیرہ، لوگ ان کا بھی غلط استعمال کرتے ہیں، تو کیا ان کو بھی ختم کردیا جائے؟

قوانین کا غلط استعمال ضرور ہوتا ہے، لیکن اس کا حل اصلاحِ اخلاق اور بلا تفریق نفاذِ قانون میں ہے، نہ کہ تنسیخ قانون میں۔

۲۰۔ حاصل مقصد

اب وقت ہے کہ ہم خودساختہ، جعلی دانشوری، جعلی جدت پسندی، جعلی آزاد خیالی اور بے وزن نعروں کے خول اتار پھینکیں، اور دین اسلام کی روح کو سمجھنے کے لئے گہرے غور و فکر اور عقل و شعور سے کام لیں۔

اقبال کا فرمان درست ہے کہ "زندگی بہ جہد است نہ بہ استحقاق" .... جہد کو اگر آپ "جَہد" پڑھیں تو اس کے معنی سعی و کوشش کے ہیں اور اس کی انتہائی صورت جہاد ہے، اور اگر اسے "جُہد" پڑھا جائے تو معنی قوت، صلاحیت اور گرمیِ عمل کے ہوں گے، دونوں صورتوں میں زندگی، "حیات" کے معنی میں ایک عطیہ ربانی ہے، اس معنی میں اسے "جہد" نہیں کہا جاسکتا۔ تاہم زندگی، ایک بامقصد، متحرک، منظم اور باقاعدہ نظام حیات کے طور پر بسر کرنا یقیناً "زندگی بہ جہد" ہے، بشرطیکہ یہ زندگی رضائے الٰہی، جس کا مظہر اطاعتِ رسولؐ ہے، اور جو حُبِ رسولؐ، حق گوئی، صداقت پسندی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے اصولوں پر استوار ہو، انسان کسی دوسرے انسان، باطل نظریات، باطل افکار، جو قرآن و سنت اور اسوۂ حسنہ سے متصادم ہوں، کے سامنے سرخمیدہ نہ ہو، اللہ کی دی ہوئی نعمتوں میں دوسرے انسانوں کو شریک کرے، اور خدمتِ خلق میں مصروف رہے، چنانچہ اسلام حقیقی ترقی، جستجو اور تحقیق اور آزادی فکر و شعور کا بہترین ضامن ہے، اور وہ ذہنی، فکری اور جسمانی غلامی کی زنجیروں کو پاش پاش کردیتا ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

چنانچہ اسلام، پروازِ فکر، کے ساتھ عقل و خرد کے دروازے کھول دیتا ہے، تاکہ آپ ترقی، آزادی فکر اور فلاح انسانی کی طرف گامزن ہوسکیں، اس کا ثبوت، دوسرے

مذاہب کے پیروکاروں کی تاریخ کے برعکس، ہماری ابتدائی تاریخ میں بدرجہ اتم موجود ہے، تاہم یہ جب ہی ممکن ہے کہ آدمی اپنے علم و فضل اور تجربات و مشاہدت کے خزائن کو یک قلم مسترد کردینے اور جدیدیت یا جدت پسندی کے نام پر، اغیار کی ہر مہمل دلیل اور پراپیگنڈے کو قبول کرلینے کے بجائے، خود صحیح سیاق و سباق میں تدبر اور غور و فکر کرے، بشرطیکہ یہ ساری تگ و دو، صاف دلی، خلوص نیت، جذبہء تفہیم اور جملہ لوازمات کے ساتھ ہو، نہ کہ صرف لفظی چاشنی اور رسمی اٹھک بیٹھک تک محدود رہے۔

میں پھر معذرت خواہ ہوں کہ گفتگو بہت طویل ہوگئی، لیکن آپ نے مسائل اس قدر اٹھادیئے تھے، اس لئے میں نے مناسب جانا کہ اپنا نقطہ نگاہ، صحیح تفہیم کے لئے، جتنی تفصیل سے ممکن ہو، آپ تک پہنچادوں۔

آپ کا مخلص
ابوالامتیاز ع۔ س۔ مسلم

ایم۔ایچ۔ کے صاحب کا دوسرا خط
۲۵۔ مئی ۱۹۹۸ء

معصوم آدمی / شیعہ اذان

میرے خط کے جواب میں آپ کی ۱۲ صفحات پر مشتمل وضاحتوں کا شکریہ، میں اس اعلیٰ تقدیم علمی کا جواب دینے کی جرأت تک نہیں کر سکتا۔

چند سوالات میرے ذہن میں اٹھتے ہیں، شاید آپ میرے جیسے معصوم اور عام آدمی کو مطمئن کرنے کے لئے کچھ فرصت نکال سکیں۔

۱۔ اللہ، معاشرے میں فساد پھیلانے والے ایسے شخص کے، جو ایک اچھے نظام حکومت کا تختہ الٹ دینا چاہتا ہے، قتل کا حکم صادر فرماتا ہے، کیا اسکول کے ایک بے حیثیت طالب علم کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات بھی اسی ذیل میں آتے ہیں؟ (اگر اس کے پس پشت کوئی پوشیدہ ہاتھ ہے، تو اسے بے نقاب کرکے سزا دینی چاہیے، نہ کہ طالب علم کو)۔

۲۔ رسول کریمؐ کو ان کی زندگی میں "مجنون" کہا گیا، کیا اللہ نے ان افراد کے قتل کا حکم دیا؟

۳۔ ہماری اپنی ترجیحات کیا ہیں؟ گزشتہ پچاس (۵۰) سال سے پاکستان کی ہر شیعہ مسجد سے روزانہ اذان دی جاتی ہے، "علی وصی اللہ و خلیفتہ المومنین بلا فصل"۔ (پہلے) تین خلفاء غاصب تھے، کیا یہ اقدام "فساد" نہیں؟ کیا پہلے انہیں قتل نہیں کردینا چاہیے؟ یا ان سُنّی اماموں کو (نہیں مار دینا چاہیے) جو جواب آں غزل کے طور پر ہر خطبہ جمع میں ان کی تکریم و تعظیم کا اظہار کرتے ہیں، جب کہ شیعہ انہیں غاصب قرار دیتے ہیں؟

۴۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے (قل العفو)، ضرورت سے فاضل مال، ناداروں، بیواؤں، یتامیٰ، معاشرے یا حکومت کو دے دیا جائے، جب کہ ہمارے بنک، اکثر کثیر الاشاعت اخبارات کے پہلے صفحات پر ایک دوسرے کے مقابلے میں، زیادہ سے زیادہ شرح سود کے اعلانات کے ساتھ بڑے بڑے اشتہارات شائع کراتے ہیں، اور ایک ایسے معاشی نظام کو، جو بصورت دیگر اسلامی ہوتا، اتھل پتھل کر کے "فساد" پیدا کرتے ہیں، کیا سب سے پہلے انہیں قتل نہیں کر دینا چاہیئے، کیونکہ انہوں نے ہمیں قومی قرضہ جات اور نجی پاور پراجیکٹس جیسے مسائل سے دوچار کر کے استعانت کے لئے بھیک مانگنے پر مجبور کر دیا ہے؟

معصوم تسلیمہ نسرین

تسلیمہ نسرین اردو سے ناواقف، ایک بنگالی مصنفہ ہے، اردو زبان میں عربی کے بہت الفاظ و تراکیب داخل ہیں، جس سے ایک عام آدمی بہ آسانی قرآن سمجھ لیتا ہے، نیلام گھر والے طارق عزیز نے ایک دفعہ کہا، "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ----" اور سامعین میں سے کسی نے اسے ٹوکا، کہ "یہ قرآن میں نہیں ہے"۔ اس نے فوراً جواب دیا، "اوہ تو کوئی بات نہیں، اگر یہ قرآن میں نہیں تو حدیث میں ہے"۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ اللہ اور ایک انسان کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں، تسلیمہ نسرین تو اس لاعلمی کے لئے قابل معافی ہے، اسے بتایا جاتا ہے کہ آدمی کے تین بار لفظ "طلاق" کہنے سے طلاق حتمی ہو جاتی ہے اور وہ دوبارہ صرف "حلالہ" کے بعد ہی اس سے نکاح کر سکتی ہے، ایسا حدیث میں ہے، ہمارے علماء اس کی تصدیق کرتے ہیں، وہ گزشتہ پچاس سال سے اخبار خواتین اور دوسرے جرائد میں یہ فتویٰ دیتے رہے ہیں، تسلیمہ نسرین نے تو صرف یہی کہا کہ قرآن میں (طارق عزیز کے فہم کے مطابق) ترمیم کی ضرورت ہے۔ کیا ہم اسے ایسا کہنے پر قصور وار ٹھہرا سکتے ہیں؟

"رنگیلا رسولؐ" اور ماریہ قبطیہؓ ○

میں نے یہ کتاب نہیں پڑھی، بغیر مطالعہ کے اس پر گفتگو سعی لاحاصل ہے، تاہم مصنف کا کہنا تھا، کہ اس نے اپنی طرف سے ایک لفظ بھی نہیں لکھا، ہر لفظ جو کتاب میں شامل تھا، وہ "تمہاری" کتابوں میں سے لیا گیا تھا، زیادہ ہوشمندی کی بات یہ ہوتی کہ کتاب کا لفظ بہ لفظ تجزیہ کر کے اس کا جواب شائع کیا جاتا، کتاب کا سندھی زبان میں ترجمہ ☆ کرنا یہ ظاہر کرتا ہے کہ کتاب ضرور کچھ حقائق پر مبنی تھی، ورنہ ایک لایعنی کتاب کے ترجمے کی زحمت کون کرتا ہے؟ ہماری کتابوں میں یہ بات تو آئی ہے، کہ مصر کے بادشاہ نے دو کنیزیں رسولؐ کی خدمت میں بھیجیں۔ آپ نے عیسائی کنیز ماریہ قبطیہ کو اپنے لئے رکھ لیا اور دوسری کنیز کسی صحابی کو عطا کر دی، جیسے وہ عورتیں نہیں تھیں، کوئی جنس تھی۔ کیا یہ حدیث، رسول اکرمؐ کے لئے باعث اہانت نہیں؟ (یہ حدیث صحیح ہو ہی نہیں سکتی، کہا جاتا ہے کہ ماریہ قبطیہ کے بطن سے حضور کے ایک بیٹا پیدا ہوا تھا)۔ احادیث کی بنا پر مودودی کا کہنا ہے، کہ آپ جتنی لونڈیاں چاہیں رکھ سکتے ہیں، (ان سے) اولاد پیدا کر سکتے ہیں۔ آپ انہیں اپنے احباب کو تحفے میں دے سکتے ہیں، انہیں فروخت کر سکتے ہیں (ہو سکتا ہے انہوں نے اپنے خیالات بعد میں بدل لئے ہوں، لیکن مجھے اس کا علم نہیں)۔

میں احادیث کے بارے میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ لفظاً لفظاً ان کا کوئی وجود نہیں،

○ اس پورے خط اور اس کے بعد دوسرے خط کا بالعموم اور دونوں کے بعض حصوں کا اندازِ تحریر اور استدلال ایسا دل آزار ہے کہ "نقل کفر، کفر نہ باشد" کے محاورے کے باوجود، اسے نقل کرنا، میں حضورؐ کی شان مبارک میں گستاخی بلکہ معصیت تصور کرتا ہوں، اور آپؐ سے عفو و درگزر اور اللہ کی ذات سے مغفرت کا طلب گار ہوں، تاہم مدنظر آپؐ ہی کی رفعت شان ہے تاکہ اس مثال سے اندازہ ہو سکے کہ ہمارے بعض نام نہاد، "پڑھے لکھے اور دانشور لوگ"، قرآن، سیرت اور تاریخ سے اچھی خاصی واقفیت کے باوجود، اپنی آزاد خیالی کی پرواز میں منطق و دلیل تو کیا، ادب و احترام کی بھی کتنی حدوں کو پھلانگ سکتے ہیں۔ ابو الامتیاز

☆ حاشیہ ص ۶۸ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

یہ ایک ناممکن بات ہے، صرف قرآن ہی لفظ بہ لفظ موجود ہے۔ اللہ اس کا محافظ ہے، اگر اللہ کہتا کہ "کافر کو مار دو"، تو رسول اللہ ﷺ نے تلوار نکال کر اس کا سر قلم کر دیا ہوتا، (یہ ایک مفروضہ ہے شاید رسولؐ نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا)۔ ایسا کوئی عمل ۶۰۰ء کے مشابہ ہوتا، رسول اکرمؐ اگر اب زندہ ہوتے تو (تلوار کے بجائے) برقی رو والی کرسی یا مہلک انجکشن استعمال کرتے، میری رائے میں احادیث فقط رسولؐ اللہ کے عہد ہی سے متعلق ہیں۔ ان کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے، قرآن ہمیشہ کے لئے معتبر اور مستقل حیثیت کا حامل ہے۔

حدیث کے صنم

اللہ فرماتا ہے، "میں مثالوں کے ذریعے قرآن کی توضیح کرتا ہوں، تاکہ تم سمجھ سکو"۔ چنانچہ اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ قرآن صرف احادیث کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے، تو میرے خیال میں یہ اللہ کے حضور میں گستاخی ہے، آپ قرآن کو اس ہلکے انداز سے نہیں لے سکتے۔

اللہ فرماتا ہے، قرآن کا سمجھنا آسان ہے، کوئی دوسرا اگر یہ کہتا ہے کہ نہیں قرآن سمجھنا تو بہت مشکل ہے، تو یہ بھی حضور حق میں گستاخی ہے، آپ اللہ کی بات کو اس ہلکے انداز سے نہیں لے سکتے۔

اللہ فرماتا ہے، "وہ قرآن میں غور و تدبر کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر قفل پڑ گئے ہیں؟" اور کوئی حدیث کا مطالعہ شروع کر دے تو میرے خیال میں وہ اللہ کے احکام کی نافرمانی کر رہا ہے۔

مزید برآں مسلمانوں نے احادیث کو "بت" بنالیا ہے، پیغمبرؐ نے بتوں کا خاتمہ کیا تھا، مسلمانوں نے نئے بت تراش لئے، اور ان کا نام احادیث رکھا، ان میں اکثر قرآن سے براہ راست متصادم ہیں، اگر آپ کے پاس دس تولے چاندی (۲،۰۰۰ روپے) ہے،

تو آپ پر اس کی زکوٰۃ واجب ہے، لیکن اگر آپ کے پاس ڈیفنس (سوسائٹی) میں تین کروڑ روپے کے پانچ مکانات ہیں، تو حدیث کے مطابق اس پر کچھ زکوٰۃ نہیں لگے گی، وغیرہ۔

گزشتہ ہفتے نواز شریف نے ملتان میں بابا فرید شکر گنج ○ کے مزار کی مرمت و نگہداشت کے لئے بارہ کروڑ روپے کے عطیہ کا اعلان کیا۔ ادھر گودھرا کالونی، شمالی کراچی میں لوگ فی الواقع گٹر سے آلودہ پانی پینے پر مجبور ہیں۔ نواز شریف اس بت کا پجاری ہے جو یہ کہتا ہے کہ ولی اللہ آپ کے گناہ معاف کروادے گا، اور آپ کے لئے جنت کے دروازے کھل جائیں گے، اس کا اللہ میں کوئی یقین نہیں، جس کا فرمان ہے کہ ذرہ برابر بھی نیک عمل کرو گے تو تمہارے سامنے آجائے گا، اور ذرہ برابر برائی کرو گے تو وہ بھی سامنے آجائے گی۔

حقیقت یہ ہے ان بتوں (احادیث) کی عبارت نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا ہے، "خوار ہیں، بدکار ہیں، ڈوبے ہوئے، ذلت میں ہیں"--- (اقبال)

(ایم۔ ایچ۔ کے)

○ اگر ملتان کا مزار ہی مراد ہے، تو وہ حضرت بہاالدین ذکریا ملتانی کا ہے نہ کہ بابا فرید شکر گنج کا، جو پاک پٹن میں واقع ہے۔

ایم۔ ایچ۔ کے صاحب کا تیسرا خط

۳۔ جون ۱۹۹۸ء

"لونڈیوں کا حرم"

مولانا شبیر احمد عثمانی سورۂ تحریم کی آیت نمبر ۴ (۶۶۔۴) کی تفسیر میں رقم طراز ہیں، کہ ماریہ قبطیہ رسول اکرمؐ کے حرم میں تھیں، اور ان سے ایک بیٹا ابراہیم تولد ہوا۔

میں نے کہیں یہ بھی پڑھا ہے کہ حاکم مصر "مقیقس" نے دو لونڈیاں آپؐ کی خدمت میں بھیجیں جو آپ نے قبول فرمالیں، ان میں سے ماریہ قبطیہ آپ نے خود رکھ لی، اور دوسری کسی صحابی کو عنات فرمادی۔

میں متعلقہ حدیث کے الفاظ کا متلاشی ہوں، لیکن وہ مجھے نہیں مل سکے، کیا براہ کرم آپ میری مدد فرمائیں گے۔

صحیح بخاری جلد ۳ میں عبداللہ بن عباس سے مروی حدیث ۶۴۸ میں مجھے ماریہ کے بارے میں کوئی حوالہ دستیاب نہیں ہوا، (بلکہ) اس میں تو یہ بیان ہے کہ آپ اتنی سادہ زندگی بسر کرتے تھے کہ کھجور کی چٹائی کے نشان پشت (مبارک) پر پڑ جاتے تھے، جو آنے جانے والے دیکھ سکتے تھے۔ عائشہؓ اور حفصہؓ کو ان کے والدوں نے سرزنش کی کہ رسول اللہ ﷺ سے مزید آسائشوں کا مطالبہ نہ کریں، اس کے باوجود مفسر کا کہنا ہے کہ رسول اکرمؐ نے لونڈیوں کا ایک حرم ○ رکھا ہوا تھا۔

○ اس خط کی زبان بھی نہایت غیر مؤدب بلکہ گستاخانہ ہے اور میں پھر انتہائی تامل اور عفوو مغفرت کی دعا کے ساتھ محض اس لیے اسے نقل کرتا ہوں کہ بعض "حق کے متلاشیوں!" (ص ۲۴) اور نام نہاد آزاد خیالوں کی ذہنی کیفیت اور طرزِ فکر کا اندازہ ہو سکے۔ حاشیہ ص ۸۲ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ابوالامتیاز

جیسا میں اپنے پہلے خط میں عرض کر چکا ہوں، یہ بالکل جعلی حدیث ہے (جو ہارون الرشید جیسے لوگوں نے اپنے تین تین سو لونڈیوں کے حرم کے جواز میں وضع کی)۔

میرا خیال ہے، کتاب "رنگیلا رسول" میں ایسی ہی روایات و احادیث جمع کر دی گئی ہوں گی، یہ محنت شاقہ سے مدون کیا گیا ایک مجموعہ تھا، جو مسلم دنیا کے لوگوں کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا، کہ وہ ایسی احادیث کو ایک ایک کر کے کھنگالیں اور تعین کریں کہ ان کے راوی کون تھے، ان میں سے جو موضوع تھیں، ان کے بارے میں یہ اعلان کر دیا جاتا، اور بقیہ کی وضاحتیں پیش کر کے امت کو مطمئن کر دیا جاتا۔
اقبال نے کہا ؎

یہ امت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھو گئی

(ایم۔ ایچ۔ کے)

ابوالامتیاز ع۔ س۔ مسلم کا دوسرا خط
۹۔ جون ۱۹۹۸ء

آپ کے خط مورخہ ۲۵۔ مئی ۱۹۹۸ء ○ کا شکریہ۔ میری کوشش ہو گی کہ صرف (اور صرف) متعلقہ سوالات کا ہی مختصر جواب عرض کر دوں۔

۱۔ فساد اور تعزیرات اسلام

میں نے ہرگز یہ نہیں کہا تھا کہ جو شخص "فساد" یا برسرزمین فتنہ پردازی میں ملوث ہو، اللہ اسے (فوری موقع پر) قتل کر ڈالنے کا حکم دیتا ہے، اس کے برعکس میں نے تو یہ عرض کیا تھا کہ ۵ - المائدہ - ۳۲ میں اللہ بے وجہ قتل کی مذمت کرتا ہے، اور اعلان فرماتا ہے کہ اس طرح کا ایک قتل بھی جمیع انسانیت کے قتل کے مترادف ہے، استثناء قتل عمد اور فتنہ پردازی کو حاصل ہے، اس سے کہیں یہ مفہوم نہیں نکلتا کہ ہر کوئی ہاتھ میں تلوار لے کر گلی میں نکل آئے اور پاگلوں کی طرح دائیں بائیں ہر اس شخص کا سر قلم کرنا شروع کر دے، جو اس کے خیال و فہم کے مطابق "فساد" میں ملوث ہے۔ یہ آیت کسی قتل کا لائسنس نہیں ہے، یہ صرف اسلام کے نظام تعزیرات کی ایک دفعہ ہے، جس کا مقصد ان لوگوں کو بالآخر، یعنی بعد کارروائی عدالت، جرم ثابت ہو جانے پر مستوجب سزا قرار دینے کا اختیار ہے، اور اس سزا کے اعلان و نفاذ کا اختیار اولی الامر یعنی عدالت کے پاس ہے نہ کہ کسی ہجوم بے مہار کے پاس، اور یہ "آخری" سزا اس طرح ہے کہ درمیان میں مختلف عدالتیں اور اپیلوں کے حق موجود ہیں، اور

○ خط کے اواخر میں ان کے خط مورخہ ۳۔ جون اور دیگر مراسلوں کا تذکرہ بھی موجود ہے۔

بے وجہ قتل کی نہایت تاکید کے ساتھ ممانعت و مذمت تو اس سے قبل ہو چکی ○۔

پھر آپ نے مختلف حوالوں سے "فساد" کی جس طرح "تعریف" اور اس کا اطلاق کرنے کی کوشش کی ہے، اس پر " ناطقہ سر بگریباں ہے، کہ اسے کیا کہیے" ، اس لئے اسے نظر انداز کئے بغیر چارہ نہیں۔

دوسرا سوال ہے کہ " قتل" کون کرے گا، یعنی سزائے موت کون نافذ کرے گا، اول تو اس سیاق میں عربی زبان کے برعکس اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں لفظ "قتل" کا استعمال قطعاً درست نہیں، ان دونوں زبانوں میں یہ لفظ قتل عمد اور Murder کے معنوں میں مستعمل ہے، اور اسلام ان دونوں صورتوں کی مذمت کرتا ہے۔ تو عرض ہے کہ دنیا میں اسلام کے سوا کوئی مذہب، نظام حکومت یا نظام اقدار ایسا نہیں جو اس سے زیادہ انصاف (عدل) ، اور لطف و رحم (احسان) پر زور دیتا ہو، "عدل" تو قانون ہے، اس لئے ناقابل تبدل ہے۔ جبکہ "احسان" ایک خُلقِ حسن اور عمل خیر یہ ہے، جو نفاذ قانون کی طرح لازم تو نہیں لیکن خوشنودیءِ باری تعالیٰ کے حصول کے لئے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اسی لئے اس کی بہت حوصلہ افزائی کی جاتی ہے، (اللہ تعالیٰ نے خود ذاتِ حضورؐ والا کو مومنوں پر اپنا احسانِ عظیم قرار دیا۔ (۳ - عمران - ۱۶۴) ، یہی وجہ ہے کہ قتل کے جرم میں سزائے موت لازم ہے، اور کوئی اولی الامر یا عدالت اسے معاف نہیں کرسکتی، اِلاّ یہ کہ مقتول کے ورثاء قصاص کے بدلے میں دیت

○ اس کے باوجود موصوف نے راقم الحروف کے الفاظ کو توڑ مروڑ کر اپنے ذہن میں پہلے سے ڈھلا ڈھلایا مفہوم نکالنے کی قابلِ افسوس کوشش کی ہے، اس کی ایک اور مثال " نیلام گھر" میں طارق عزیز کے منہ سے نکلی ہوئی سرسری بات کی یہ "تشریح" ہے، جو شاید پروگرام کے دوران میں بحث سے کنی کترانے کے لئے کہہ دی گئی، یعنی یہ "بات قرآن میں نہیں تو حدیث میں ہے" (ص ۸۱)، کہ وہ قرآن میں ترمیم کے حامی ہیں، راقم الحروف کو کسی کی صفائی پیش کرنے کی ضرورت نہیں، تاہم اس سے ترمیم قرآن کا مفہوم قطعی نہیں نکلتا، یہ انداز استدلال کج ذہنی اور مسخ شدہ طرز فکر ہی کی عکاسی کرسکتا ہے جس سے کسی افہام و تفہیم کی توقع محال ہے۔ ابوالامتیاز

لے کر یا محض "احسان" سے مجرم کی جان بخشی کر دیں۔ چنانچہ واضح ہے کہ یہ قانون تعزیر ایک مجاز عدالت ہی نافذ کر سکتی ہے۔

سزائے موت متعدد اور جرائم میں بھی دی جاتی ہے، مثلاً ملک کے خلاف غداری، تخریب کاری، جاسوسی اور آج کل منشیات کا پھیلانا وغیرہ، کیونکہ "زمین میں ان سے بڑا فساد اور فتنہ پردازی" اور کوئی نہیں، تاہم کوئی ان سزاؤں پر معترض نہیں ہے، اور نہ ہی تلوار یا بندوق نکال کر "مجرموں" کو قتل کرتا پھرتا ہے۔ دوران جنگ میں ایک سپاہی کو پیٹھ دکھا کر فرار ہونے کے جرم میں فوراً گولی مار دی جاتی ہے، پھر بھی معاشرے کو یہ عین قابل قبول ہے۔ کیونکہ بزدلی کے ایک وقوعہ سے دشمن کے داخلے کا دروازہ کھل سکتا ہے۔ نازک صورت حالات مین بزدلی کا سیلاب بھی امنڈ سکتا ہے، جس سے قوم کی آزادی معرض خطر میں پڑ سکتی ہے۔ جس دستے نے احد میں (قصداً بے اطاعتی کی وجہ سے نہیں، لیکن محض) بے احتیاطی اور غنیمت کے خیال سے اپنا پہرہ چھوڑ دیا تھا، اس سے اسلام کی فتح نہ صرف شکست میں بدل گئی اور نہ صرف اللہ کے رسولؐ زخمی ہوئے، اور آپ کے دندان مبارک شہید ہوگئے حتیٰ کہ آپؐ کی شہادت کی خبر پھیل گئی اور انتہائی دل شکستگی، غیر یقینی اور مایوسی کی صورت حال پیدا ہو گئی، جو نعوذ باللہ اسلام کے خاتمے کے باعث ہو سکتی تھی، بلکہ ستر (۷۰) نہایت ممتاز اور جلیل القدر صحابہ بھی کام آگئے، جن میں سید الشہدا امیر حمزہؓ، اور حضرت عمیرؓ بھی شامل ہیں۔ اس خطا پر خود اللہ کی ذات نے قرآن میں اس دستے کی سرزنش فرمائی۔

اب مزید کس ثبوت کی ضرورت ہے؟

رہ گیا سوال کہ "کیا اسکول کے ایک بے حیثیت طالب علم کے منہ سے نکلے ہوئے کلمات بھی اسی ذیل میں آتے ہیں؟ یعنی کیا وہ بھی سزائے قتل کا مستوجب ہے؟ اور اگر اس کے پس پشت کوئی پوشیدہ ہاتھ ہے تو اُسے بے نقاب کر کے سزا دینی چاہیئے، نہ کہ طالب علم کو؟"

تو پہلی گزارش تو یہ ہے کہ آپ کے سوال ہی میں یہ الزام مضمر ہے، کہ اسکول کے اس بے حیثیت طالب علم پر فی الواقع اس سزا کا نفاذ ہُوا! آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ حقیقت کے خلاف ہے۔ ایسا نہیں ہُوا۔ پاکستان کی کسی عدالت، قانون یا انتظامیہ نے اس "بے حیثیت طالب علم" پر سزا نافذ نہیں کی، بلکہ وہ بری ہوا، اس کے باوجود آپ ملکِ عزیز کے بارے میں یہ پراپیگنڈا کرنے اور یہ تاثر پیدا کرنے میں پیش پیش ہیں کہ ایسا فی الحقیقت ہُوا۔ گویا اسلامی جمہوریہ پاکستان کی حکومت، اس کی عدالتیں، ملک کے قوانین، ریاست کے سب ادارے اور تمام پاکستانی من حیث القوم، زندگی کے سارے کام چھوڑ کر، لٹھ بند ہو کر صرف اسی ایک مذموم کام میں جُتے ہوئے ہیں۔ آپ اس "کارِ خیر" میں تنہا نہیں ہیں۔

یہ درست ہے کہ کچھ لوگوں نے مشتعل ہو کر قانون ہاتھ میں لے لیا، جس کے ہیجان (نہ کہ قانون) کا شکار یہ "بے حیثیت لڑکا" منظور مسیح ہو گیا، لیکن ایسے ہی ایک مشتعل ہجوم کا شکار تو ایک بدقسمت مسلمان مولوی اور مسلمان جج عارف اقبال بھٹی بھی ہُوئے یہ سب واقعات قابلِ مذمت اور باعثِ صد افسوس ہیں۔ اور ان کی روک تھام ہونی چاہیئے۔ لیکن اس کا ذمہ دار نہ تو قانونِ اہانت ہے، نہ عدالتیں اور نہ ہی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی، جن سب کو بطور خصوصی ہدف بنا کر الزام "قتل" اُن کی طرف منتقل کر دیا گیا۔

میرا خیال ہے پوشیدہ ہاتھ کی تلاش کا مطالبہ کرنے والوں کو اپنی آستینوں کو ٹٹول کر دیکھنا چاہیئے کہ وہ ہاتھ کہیں ان کی سلوٹوں میں تو نہیں چھُپے ہوئے؟ یا وہ ایسے لوگوں کی پروازِ خیال میں تو زہر نہیں گھول رہے! جن کے ذہن میں آزادیءِ اِظہار کا مطلب دشنام طرازی، بدگوئی، اِہانت اور طعن و تضحیک کا کھلا لائسنس اور اس کی مادر پدر چھوٹ ہے، جس میں سنجیدگی، اخلاق اور دلیل سے تفہیم کی کوئی گنجائش نہیں؟ ان کے نوکِ قلم سے تعصب کی ایسی روشنائی ٹپک رہی ہے جس میں سمومِ اشتعال کے بھبوکوں کے علاوہ کچھ نہیں۔

دریافت کیا جاسکتا ہے کہ "بے حیثیت طالب علم" ہی کی الم ناک موت پر، جس کی الم ناکی میں کوئی شک نہیں، یہ ساری نوحہ خوانی کیوں مرکوز ہے کیا اس غریب مولوی کا ماتم کرنے والا کوئی نہیں؟ کیا جج عارف اقبال بھٹی پر فاتحہ پڑھنے والا کوئی ہے؟ پھر بشپ جان کی خودکشی کے پیچھے کس کا ہاتھ تھا؟ معترضین کو اپنے گریبانوں میں جھانک کر دیکھنا چاہیے کہ انہوں نے "آزادیِ اظہار" کے فریب میں کوئی ایسی چنگاری تو بُھس میں نہیں ڈال دی، جس سے سارا کھلیان جل جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے؟ اس مصرع کا اطلاق انہیں پر تو نہیں ہوتا کہ:

کرتے ہیں قتل ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

تاہم اگر صرف پس پشت شرارت کا مفروضہ ہی تسلیم کرلیا جائے، تو اس توقع کا کیا جواز ہے کہ لوگ اہانتِ رسول کو برداشت کرلیں، بلکہ یہ ضرورت تو شدید تر ہو جاتی ہے کہ قانون مضبوط ہو اور اس کا نفاذ، جو، اب تک نہیں ہوا، اور سختی سے ہو، تاکہ ایسے شرپسندوں کی صحیح معنوں میں حوصلہ شکنی ہو سکے۔

مجھے اتفاق ہے کہ اہانتِ رسولؐ کی شرارت کے پیچھے جن کا ہاتھ ہے انہیں بے نقاب کیا جانا چاہیئے لیکن شیر آیا شیر آیا دوڑنا کا شور مچانے والوں کو خود بھی اپنی محفوظ گاہوں سے نکل کر سامنے آنا اور سرگرمِ عمل ہونا چاہیئے۔ میں امید کرتا ہوں، آپ پوری توجہ سے اس کارِ خیر کا آغاز اپنی ہی کمین گاہوں سے فرمائیں گے، اور اسے پورا کرکے دَم لیں گے۔

۲۔ "مجنون"

پیغمبر خدا کو (نعوذ باللہ) "مجنون" کہا گیا، یہ اس وقت کی بات ہے، جب اسلام بے گھر تھا، اس کے پاس قوت نہ تھی، اور نہ ہی کسی ریاست یا مملکت کی تشکیل ہوئی تھی، خدا کا واسطہ! پاکستان ایک ۹۵ فیصد مسلم اکثریت کا ملک ہے، جس کا وجود اللہ، اس کے

رسولؐ اور اس کے دین کا مرہون منت ہے، ان کے نام و پیغام کی سربلندی اور نفاذ ہی میں قیام پاکستان کا جواز ہے، اور پاکستان کے آئین کا عنوان ہی یہ ہے کہ تمام اقتدار و قوت کا سرچشمہ ذات باری تعالٰی ہے، اور تمام قوانین قرآنِ حق تعالٰی اور سنّتِ رسول اکرمؐ کے اصولوں پر مبنی ہوں گے، اس کے باوجود کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہاں اس خالق حقیقی اور اس کے محبوب پیغمبرؐ کے خلاف افتراء و اتہام، تشنیع و دشنام اور اہانت و ہرزہ سرائی کی بلاخوف و خطر رخصت عام ہو؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے!

واضح رہے کہ آئینِ پاکستان میں قرآن اور سنت (جس کا منبع حدیث اور سیرتِ رسولؐ ہے) کی بالادستی کا اصول قیامِ پاکستان کے ابتدائی سالوں ہی میں مسلّم ہو چکا تھا، قرار داد مقاصد بھی، جس میں یہ الفاظ وضاحت کے ساتھ شامل ہیں، منظور ہو چکی تھی، اور جسے نہ صرف عوام کی نمائندہ اسمبلی، جن میں تحریکِ آزادی کے رہنمایانِ کرام "Founding Fathers" اور منتخبِ روزگار علماء بلکہ عوام الناس کی متفقہ تائید حاصل تھی، اور وہ نہ صرف تحریک پاکستان کے مقاصد سے کما حقہ' واقف تھے، بلکہ انہیں ان مقاصد کے تعین اور ان کے حصول کی جدوجہد کا اعزاز بھی حاصل تھا۔ تو کیا اس آئین کی بھی دھجیاں اڑادی جائیں، جسے عوام اور ان کے نمائندوں نے منظور کیا، اور کرتے چلے آرہے ہیں، یہ کیسے "انسانی حقوق" ہوئے؟

لیکن عام حدیث تو کیا آپ تو حدیثِ قدسی کو بھی تسلیم نہیں کرتے،(ص ۲۳) جو سنت رسولؐ ہی کا لفظی پیکر ہے، بلکہ ان کے وجود تک سے منکر ہیں (آپ کا خط مورخہ ۲۵۔ مئی ۱۹۹۸ء ص ۸۰)، تو آپ سے کس بنیاد پر گفتگو کی جائے۔

رہ گئی بات آپؐ کو مجنون کہنے کی تو اس میں جو ایذاء، طعن و تشنیع اور طنز و تضحیک پوشیدہ ہے، اور اس لفظ کے علاوہ جو بدگوئی اور دشنام طرازی آپؐ کے بارے میں کی گئی اور جس قسم کی ہرزہ سرائی کے بارے میں آپ پوچھتے ہیں کہ "کیا اللہ نے ان افراد کے قتل کا حکم دیا"؟ اس سلسلے میں فی الحال چند اشارے ہی کافی ہیں۔

اسلام کے بالکل ابتدائی دنوں میں جب حضورؐ دنیاوی لحاظ سے بالکل یکہ و تنہا، بے یار و مددگار اور کسمپرسی کی حالت میں تھے، اور مخالفین یعنی قریش کے جاہ و جلال کا طوطی بولتا تھا، تو اللہ تعالیٰ کی ذاتِ والا تبار، نے آپؐ کی اس حالت میں بھی، جب کسی مجبور و مقہور شخص کی زبان سے اس کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی، ایسے لوگوں پر قریش کے جلیل القدر سردار ابولہب کے نام سے، جو آپؐ کو مجنون تو کیا جھوٹا کہتا تھا، عین اس کے اوجِ اقتدار میں، بذریعہ وحی زبردست وعید کی، جو حکمِ قتل سے بڑھ کر ہے، فرمایا باری تعالیٰ نے:

تَبَّتْ يَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ○ مَآاَغْنٰی عَنْهُ مَالُه‘ وَمَا كَسَبَ○ سَيَصْلٰی نَاراً ذَاتَ لَهَبٍ○ وَّامْرَاَتُه‘ط حَمَّالَةَ الْحَطَبِ○ فِیْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ○ (۱۱۱ - لہب - ۱تا ۵) - "ابو لہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے (اس کی سب قوتیں بے کار گئیں)، اور وہ خود بھی ذلیل و برباد ہوگیا، اس کی دولت اور کمائی کسی کام نہ آئی (اور عزت و وجاہت بھی ہلاکت سے نہ بچاسکی)، ایک شعلہ زد آگ میں پڑے گا (وہ خود بھی) اور اس کی بیوی بھی (جو آپ کے بُغض و مخالفت میں حدِ غلو سے بھی آگے بڑھی ہوئی تھی، آپ کے راستے میں ڈالنے کے لئے جنگل کی خار دار) لکڑیاں (اور جھاڑیاں) لاد کر لانے والی، اس کی گردن میں سخت بٹی ہوئی رسی کا پھندا ہوگا"۔ اس وعید کی روشنی میں ان کا انجام جاننا ہو تو تاریخ کا مطالعہ فرمائیں۔

رسول اکرمؐ اللہ کی طرف سے معاملات میں فیصلِ کُل ہیں۔ (۴۔ النساء ۔ ۵۹، ص ۴۶)، اس کے بعد آپؐ کے فیصلے کو تسلیم نہ کرنا بھی اہانت سے کم نہیں ایسے مجرم کو قتل کی سزا خود حضرت عمرؓ نے اپنے ہاتھوں سے دی، اور بارگاہِ رسالت سے "فاروق" کا خطاب پایا (ص ۵۹)، تو کیا اس عمل کو رسول کریمؐ کی قبولیت حاصل نہیں تھی؟

تاہم جب اسلام ایک ریاست کی صورت میں قائم ہوگیا، تو اس ریاست اور ریاست کے سربراہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے اہانتِ رسول کے مرتکبین پر قتل کی سزا کا نفاذ ہونے لگا۔

اہانتِ رسولؐ کے مجرمین کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے قرآن کریم کی سزا کے بارے میں ہم انشاء اللہ اس کتاب کے آخر میں مزید گفتگو کریں گے۔ ○

۳۔ برقی رَو والی کرسی یا انجکشن

آپ کا یہ کہنا کہ اگر آج رسول کریمؐ زندہ ہوتے اور اللہ کے حکم سے قتل کرنا ہوتا تو تلوار کے بجائے "برقی رَو والی کرسی یا مہلک انجکشن استعمال کرتے (ص ۸۳)" (معافی چاہتا ہوں) پست سطحیت، پراگندہ خیالی اور کج بحثی کے سوا اور کچھ نہیں، ایسی بات کا کیا محل ہے؟ کیا آپ اپنی تکنیکی معلومات کی نمائش کرنا چاہتے ہیں، کیا برقی رو والی کرسی یا مہلک انجکشن کے استعمال سے قتل، قتل نہ رہتا، یا سزائے موت واقع نہ ہوتی، کیا آپ کو کسی نے منع کیا ہے کہ نئی تکنیک استعمال نہ کریں، یا مدعا یہ تاثر دینا مقصود ہے کہ ملتِ اسلامیہ ابھی پتھر اور دھات کے زمانے سے باہر نہیں نکلی؟

۴۔ ایک "معصوم" قلم کار

مجھے اس دلیل سے انتہائی تعجب ہوا کہ چونکہ تسلیمہ نسرین کو اردو نہیں آتی تھی، اس لئے وہ ہر الزام ہرزہ سرائی سے مبرا ہے۔ یہ کس نے کہا کہ ایک بنگالی کو فہم قران کے لئے اردو جاننے کی ضرورت ہے، اسلامی لٹریچر کا مخرج و منبع تو عربی ہے، اور قرآن و حدیث کی زبان عربی ہونے کی وجہ سے پڑھے لکھوں کو اس زبان سے واقفیت

○ ملاحظہ فرمائیں عنوان "نبیؐ کی ذات کو ایذا رسانی" ص ۱۱۹

ضروری ہے، اس کے بعد فارسی ادب کا ذخیرہ ہے، جس میں ہم اہل برصغیر عربی کی بہ نسبت شاید زیادہ مالا مال ہیں، کون سی زبان، انگریزی سے لے کر چینی تک ایسی ہے جس میں قرآن و سنت کی تفسیر اور اہم مسائل پر کتب دستیاب نہیں، اور خود بنگلہ زبان و ادب تو ایک ہزار سال سے اسلامی لٹریچر سے معمور ہے، ایک بنگالی کو قرآن و حدیث کا فہم نہ ہونے کے لئے اردو زبان سے عدم واقفیت کیسے جواز بن سکتی ہے، جبکہ اس کی اپنی مادری زبان یعنی بنگلہ کا دامن اس علم و حکمت سے بھرا پڑا ہے۔

اور پھر تسلیمہ نسرین کی اہلیت کے ہر شخص یا کسی بھی زبان کے اہل قلم اور معروف مصنف کا اعزاز رکھنے والے کو علم ہونا چاہیئے کہ اس کی زبان یا قلم سے کیا الفاظ صادر ہورہے ہیں، ورنہ اسے قلم اٹھانے کا کوئی حق نہیں ہے، مغربی معاشرے کا وائرس آج کل ہر کسی پر اثر انداز ہورہا ہے، وہاں بھی قانون سے عدم واقفیت قابل معافی نہیں ہے (Ignorance of Law is no Excuse) مجھے کسی ایسے ملک یا معاشرے کا علم نہیں، جہاں عام اسکولوں، کالجوں یا یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم میں تعزیرات کا موضوع شامل ہو، جس میں یہ بتایا جائے کہ کون سے جرم کی کیا سزا ہے، اس کے لئے تو بہتر ہے کہ خواہش مند، تعزیرات پاکستان کا اضافی مطالعہ اپنے ذوق سے کریں، اور یا پھر قانون کے موضوع کا، تاہم کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ "معصومیت" کے لبادے میں ایسی باتیں کہتا پھرے جو "معصوم" نہیں ہیں، ایسی مفروضہ "معصومیت" کے نقاب میں نہ جانے کیسے کیسے گھناؤنے جرائم کی پردہ پوشی کی جاسکتی ہے۔

۵۔ "قرآن میں ضرورت ترمیم"؟

قرآن "وہ کتاب اور صحیفہ مکتوب ہے، (نہ کہ زبانی یادداشتوں اور روایتوں کا مجموعہ) جس کا ہر مضمون بلا اختلاف برحق اور ہر لفظ صدق ہے، کہ اس میں کسی شک و شبہ یا تردد اور خلجان و اضطراب کی گنجائش نہیں ہے، اور یہ ہدایت ہے فنون و فلسفہ و

نظریات میں الجھے رہنے والوں کے بجائے، اللہ سے ڈرنے والوں اور خوف خدا رکھنے والوں کے لئے، ان لوگوں کے لئے جو اپنے ظن و تخمین اور وہم و گمان کے بموجب نہیں، بلکہ اللہ کے حکم اور رسول اللہ کی تعلیمات و تصریحات کے مطابق غیب پر ایمان رکھتے ہیں"۔ ذَٰلِكَ الْكِتٰبُ لَارَيْبَ ج فِيْهِ ج هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ○ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ○ (۲ - بقرہ - ۲-۳)، "اور نہ صرف ایمان ہی رکھتے ہیں، بلکہ اس کے عملی مظاہرے کے لئے اس کے سامنے سر جھکاتے، ناک رگڑتے اور سجدہ ریز ہوتے ہیں، کہ اس کے سوا کوئی اور نہیں، اور اپنی خون پسینے کی کمائی سے پیٹ کاٹ کر، اس کی راہ میں خدمتِ خلق کے لئے خرچ بھی کرتے رہتے ہیں، اور اس طرح ہر طرح کی قربانی کے لئے ہر دم تیار رہتے ہیں"۔

اس ایمان و عمل کے ساتھ تجسس اور تحقیق و تدقیق کی پوری حوصلہ افزائی ہے، بلکہ قرآن میں جگہ جگہ غور و فکر، عقل و شعور اور فہم و وقوف سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے، تحقیق و تدقیق اس میں شامل ہے، اور پھر اسلام کے علاوہ کون سا مذہب اجتہاد کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ تاہم اپنے آپ کو "مسلم" کہنے کا مطلب یہ ہے، کہ آپ قرآن کو باری تعالیٰ کا آخری اور مکمل پیغام تسلیم کرتے ہیں۔ اور اس کے ذریعے دین اسلام کی تکمیل ہوگئی، اور پھر خواہ وہ "معصوم" تسلیمہ نسرین کی زبان ہی سے کیوں نہ ہو، یہ بھی کہنا کہ قرآن تو پرانا اور فرسودہ ہو چکا ہے، اور اس میں اب ترمیم و تصحیح کی ضرورت ہے، یعنی قرآن نہ تو اللہ کی آخری کتاب رہی اور نہ ہی وہ مکمل ہے کیسا تضاد ہے، یعنی "مسلم" ہو کر ایسی باتیں کرنا، اہانت تو کیا کلماتِ کفر کے مترادف ہے۔

۶۔ شیعہ مساجد کی اذانیں

اس مسئلے کا ہمارے اصل موضوع یعنی اطاعتِ رسولؐ یا اہانتِ رسولؐ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں، میرے ناچیز علم کے مطابق سب شیعہ حضورؐ کو اللہ کا رسولؐ اور

خاتم النبیین مانتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ بہت سے اختلافات ہیں، اوران میں شدید قسم کے بھی ہیں، اور بدقسمتی سے یہ ایک تاریخی ترکہ ہیں، تاہم اور بھی بہت سے فرقے اور مکاتبِ فکر ہیں جن میں باہمی اختلافات ہیں۔ اور اگر یہ مناسب حدود کے اندر رہیں، تو صحت مند بھی ہو سکتے ہیں، ان سب پر بمعہ شیعہ مذہب کے مستند مباحث یا کتابیں موجود ہیں، اور میرے حقیر خیال میں مناسب یہی ہے کہ جس کو اس میں حقیقت کی تلاش ہو، وہ ان مسائل کو سرسری طور پر اٹھانے کے بجائے متعلقہ ذخیرہ علم کا مطالعہ کر کے رہنمائی حاصل کرے اور اپنی رائے قائم کرے۔

۷۔ ضرورت سے فاضل مال کی خیرات

اس میں دو رائیں نہیں کہ ضرورت سے زائد مال "عفو" کو خیرات کرنا چاہیئے۔ کون مسلمان اس کی ممانعت کرتا ہے، کم از کم میری نظر سے آج تک کوئی ایسا فتویٰ یا بیان نہیں گزرا جس میں ایسے نیک عمل کی حوصلہ شکنی کی گئی ہو۔ اسلام تو وہ واحد مذہب ہے جو اعزاء و اقرباء تو درکنار، دور تک اڑوس پڑوس تک کا حق تسلیم کرتا ہے، اور اس کے لئے اجتماعی اور انفرادی ترغیب کا بے انتہا اہتمام کرتا ہے، بلکہ ضرورت مندوں کے لئے ایک تہائی ترکہ تک وصیت کی بھی حوصلہ افزائی بلکہ تشویق پیدا کرتا ہے، "انفاق فی سبیل اللہ" کی جتنی ترغیب اسلام میں ہے کسی اور مذہب یا معاشرے میں نہیں ہے، پھر اعتراض کس بات پر ہے۔

رہ گیا بنکوں کا مسئلہ جو بڑے بڑے اشتہارات کے ذریعے لوگوں کو سود کا لالچ دے کر ارتکازِ دولت کرتے ہیں، تو یہ ایک ایسا انتظامی اور معاشی اصلاح کا مسئلہ ہے، جس کی ضرورت سے کوئی منکر نہیں، اور یہ بھی حقیقت ہے کہ باوجود مخالفتوں کے سود ختم کرنے کے لئے بھرپور کوششیں جاری ہیں، اور کوئی بے بصر ہی ان سے بے بہرہ ہو سکتا ہے۔ یہ درست ہے کہ بہت سی وجوہات کی بنا پر جن میں بے یقینی، بدنیتی یا کم

حوصلگی کو بھی دخل ہے، یہ کوششیں ابھی تک بار آور نہیں ہوئیں، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کہ لوگوں کے دباؤ کی وجہ سے ان کوششوں میں کمی بھی نہیں آئی۔

یہ بہرحال سیاسی اور حکومتی انتظام و انصرام کے معاشرتی اور معاشی مسئلے ہیں، جن سے ہماری بحث کے اصل موضوع کا کوئی تعلق نہیں، ہاں آپ تبدیلیٔ حکومت یا تبدیلیٔ نظام کی کوشش ضرور کر سکتے ہیں، خواہ وہ جمہوری طور پر وقوع پذیر ہو، یا بصد خون خرابے کے بعد بصورتِ انقلاب، اس عمل کا انتخاب آپ کا یعنی عوام کا اختیار ہے، لیکن حیرت ہے کہ آپ جیسا "امن پسند" جو اہانتِ رسولؐ تک برداشت کرنے کو تیار ہے، بلا کسی تحریک یا سیاسی و انقلابی عمل کے بنکوں کے منتظمین کو دائیں بائیں قتل کردینے کی ترغیب سے (ص ۸۱) نہیں جھجکتا۔ یا مقصد معاشرے میں انتشار، ذہنی پراگندگی، انارکی اور فساد پھیلانا ہے؟

۸۔ حلالہ وغیرہ

آپ طارق عزیز کے مبینہ الفاظ سے یہ مطلب اخذ کرنے پر مصر ہیں کہ :

> "اللہ اور ایک انسان کے الفاظ میں کوئی فرق نہیں، تسلیمہ نسرین تو اس لاعلمی کے لئے قابل معافی ہے، اسے بتایا جاتا ہے کہ آدمی کے تین بار لفظ "طلاق" کہنے سے طلاق حتمی ہو جاتی ہے اور وہ دوبارہ صرف "حلالہ" کے بعد ہی اس سے نکاح کر سکتی ہے، ایسا حدیث میں ہے، ہمارے علماء اس کی تصدیق کرتے ہیں"۔ (ص ۸۱)

پہلی بات تو یہ ہے کہ رسولِ کریمؐ ایک عام انسان نہیں تھے، بلکہ اللہ کے رسولؐ تھے، دوسری بات یہ کہ دین ان پر مکمل ہوا، تیسری بات یہ کہ وہ جمیع عالم انسانیت کے لئے رسولؐ مبعوث ہوئے، اور چوتھی بات یہ کہ آپؐ وہی بات کہتے تھے جو "وحیِ الٰہی" ہوتی تھی، فرمایا اللہ تعالیٰ نے:

- اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰی اِلَیَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ مُّبِیْن ۝ (۴۶-احقاف-۹) - (تُو کہہ دے کہ) "میں تو بس اُسی کی پیروی کرتا ہوں، جو (اللہ کی جانب سے) مجھ پر وحی آتی ہے، (میری کیا جرأت کہ بغیر وحیِ الٰہی اپنی طرف سے کوئی بات گھڑ لوں)، اور میں تو صرف صاف صاف ڈرانے والا ہوں"۔

- وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ (۵۳ - نجم - ۳/۴) - "وہ (رسولؐ) نہ اپنی خواہشِ نفسی سے (خود) باتیں بناتے ہیں (اور اپنی گھڑی ہوئی باتوں کو خدا کی جانب منسوب کردیتے ہیں، بلکہ ان کا کلام تو) تمام تر وحیِ الٰہی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے (خواہ وہ لفظی ہو جو قرآن کہلاتی ہے، خواہ محض معنوی ہو جس کا نام سنت ہے)۔

بیچارے طارق عزیز کو بیچ میں گھسیٹنا عبث ہے، دینی اور فقہی معاملات میں نہ ان کی رائے معتبر ہے، نہ وہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں، اس لئے ان کے کندھے پر رکھ کر بندوق چلانا انتہائی درجے کی بددیانتی اور اپنے الفاظ کی ذمہ داری سے بچنے کی کوشش ہے۔

"ہمارے علماء" جو حلالہ کی بات کرتے ہیں تو وہ بالکل درست ہے، تاہم آپ کی تسلی کے لئے "حلالہ" کا حکم براہِ راست قرآن کریم سے ہے، اور آپ اپنے تعصب، کم علمی، ڈھلے ڈھلائے ذہن اور گھڑے گھڑائے تصورات کے مطابق بغضِ حدیث میں آیاتِ قرآنی کی نفی پر بھی تُلے بیٹھے ہیں۔

طلاق مؤثر ہونے کی صورت میں پہلے شوہر سے حلالہ کے بعد دوبارہ نکاح براہِ راست واضح طور پر قرآنِ کریم سے ماخوذ ہے:

- فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا تَحِلُّ لَہٗ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی تَنْکِحَ زَوْجاً غَیْرَہٗ ط فَاِنْ طَلَّقَھَا فَلَا جُنَاحَ عَلَیْھِمَآ اَنْ یَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ط

وَتِلْكَ حُدُوْدُاللهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ○ (۲ - بقرہ - ۲۳۰) -
"پھر (اِن دو طلاقوں کے بعد بھی) کوئی اگر اپنی عورت کو طلاق دے ہی دے، تو وہ عورت اُس کے لئے اُس کے بعد جائز نہ رہے گی، یہاں تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح کرے (اور مفسرین نے لکھا ہے کہ یہاں نکاح سے صرف عقد نکاح یا کاغذی نکاح مراد نہیں، بلکہ اصطلاحی اور شرعی معنی مقصود ہیں، جن میں وظیفہء زوجیت کا ادا ہونا لازم ہے، تاکہ احکام الٰہی کا درست اطلاق ہو اور کسی تضحیک کا شائبہ نہ رہے، مزید تفصیل تفسیر و فقہ کی کتب میں دیکھی جاسکتی ہے)، اور پھر وہ (یعنی نیا شوہر) بھی اُسے طلاق دے دے، تو دونوں (پہلے شوہر اور عورت) پر کوئی گناہ نہیں کہ پھر (بدستورِ سابق دوبارہ نکاح کر کے) مل جائیں، بشرطیکہ دونوں گمانِ غالب رکھتے ہوں کہ اللہ کے ضابطوں کو برقرار رکھیں گے (آئندہ حُسن معاشرت قائم کریں گے اور خواہ مخواہ کی رنجشیں پیدا کر کے اتلافِ حقوق میں مبتلا نہ ہوں گے)۔ اور یہ بھی اللہ کے ضابطے (حدود) ہیں، انہیں وہ کھول کر بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے لئے جو علم (اور فہم و دانش اور ہدایت کی طلب) رکھتے ہیں۔"

۹۔ ہو آہی تو جاک کریبل کرے کوئی

آپ ایک جانب تو اپنے خطوط میں پورے زور و شور سے قرآن کی حقانیت کو تسلیم کرتے ہیں، اور دعویٰ کرتے ہیں کہ "قرآن ہی لفظ بہ لفظ محفوظ ہے (ص ۲۴)"، نیز یہ کہ "اللہ اس کا محافظ ہے"، (آپ کا خط ۲۵۔ مئی ۱۹۹۸ء ص ۸۳)، اور دوسری طرف:

☆ آپ تسلیمہ نسرین کو قرآن کریم میں (نعوذ باللہ) ترمیم تجویز کرنے پر ہر

معانی دینے کو تیار ہیں، بلکہ اِسے اُس کا حق تسلیم کرتے ہیں، یہ ایمان کی کس قسم کی تعریف ہے؟

☆ آپ قرآن کو "مانتے" بھی ہیں، لفظ بہ لفظ محفوظ بھی سمجھتے ہیں (ص ۲۴، ص ۸۳)، پھر بھی اطاعتِ رسولؐ پر معترض ہیں، کوئی بھی ذی شعور اور ذی فہم شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن درست ہے، لیکن اس میں اطاعتِ رسولؐ کی جو آیات ہیں، وہ (نعوذ باللہ) درست نہیں۔

☆ آپ اپنے پہلے خط مورخہ ۱۱ مئی ۱۹۹۸ء میں بھی فرماتے ہیں کہ ہم "پاکستان کے دارالعلوموں کے شیوخ الاسلام کو الگ رکھیں" (ص ۲۴)، احادیث کے وجود تک سے انکاری ہیں (ص ۸۲)، اور رسولؐ کی بات (حدیث) سے تفہیمِ قرآن تو بالکل نہیں ہوتی (ص ۸۳)، لیکن آپ "یونیورسٹیوں کے صدور شعبہ جاتِ اسلامیات" وغیرہم سے تحقیق و تدقیق و تشریح قرآن کی توقع رکھتے ہیں (ص ۲۵)، ایں چہ بوالعجبی است، کیا آپ کے پاس کوئی ایسا ذریعہ ءِ علم ہے کہ قرآن کی آیت تو موجود ہو، لیکن رسولؐ کے قول و عمل اور اسوۂ حسنہ کی مثال موجود نہ ہو، دنیا بھر کے دارالعلوموں کے شیوخ کو بھی ایک طرف کردیا جائے اور پھر بھی آپ یہ جان جائیں کہ آپ کو قرآن کیسے سمجھنا اور اس پر کیسے عمل پیرا ہونا ہے؟ اور کیا آپ کو یقین ہے کہ یونیورسٹیوں کے ان حضرات کا ذریعہءِ علم حدیث و سنتِ رسولؐ سے مختلف اور زیادہ معتبر ہے؟

میرے خیال میں آپ کو سب سے پہلے اپنی انتشارِ ذہن، کج خیالی اور پراگندہ فکری کی اصلاح کی طرف توجہ دینی چاہیئے، اور بقولِ اقبال:

"ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں"

یا پھر سورۃ مزمل کے مطابق رت جگے کیجئے، قرآن کو ایسا سمجھ کر پڑھیئے، جیسا اس کو

پڑھنے کا حق ہے، اور سب سے بڑھ کر بقول "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" گدازِ دل سے ہدایت کی دعا کیجئے۔

☆ اپنے خط مورخہ ۲۵۔ مئی ۱۹۹۸ء میں کتاب "رنگیلا رسول" کے بارے میں آپ رقم طراز ہیں: "میں نے یہ کتاب نہیں پڑھی، بغیر مطالعہ اس پر گفتگو سعیٔ لا حاصل ہے" (ص ۸۲)۔ اس کے باوجود چند ہی روز بعد اپنے ۳۔ جون ۱۹۹۸ء کے خط میں اسی کتاب کے بارے میں حسنِ ظن کا اظہار کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں "یہ محنت شاقہ سے مدون کیا گیا ایک مجموعہ تھا جو مسلم دنیا کے لوگوں کے لئے ایک چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا، کہ وہ ان کی حیثیت کو کھنگالیں اور تعین کریں کہ ان کے راوی کون تھے، ان میں جو موضوع تھیں، ان کے بارے میں یہ اعلان کر دیا جاتا، اور بقیہ کی وضاحتیں پیش کر کے امت کو مطمئن کر دیا جاتا" (ص ۸۶)

خرد کا نام جنوں پڑ گیا، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے (حسرت موہانی)

ایک کافر نانہجار و شاتمِ رسولؐ جس کی ہرزہ سرائی کا آپ نے مطالعہ تک نہیں کیا۔ اس کے "علمِ حدیث" اور "ان کی تدوین" کے بارے میں خوش فہمی کہ " یہ محنت شاقہ سے مدون کیا گیا ایک مجموعہ تھا"، اور موجدینِ علمِ اسماء الرجال، محافظینِ احادیث، صحابہ کرامؓ اور محدثینِ عالی مقام کے بارے میں، جنہوں نے زندگیاں تقویٰ، زہد و ریاضت، تلاشِ حدیث، تعینِ صحتِ حدیث اور ان کی تدوین میں گزار دیں، اور جن کے اعتبار و اعتماد کی گواہی ایک ہزار چار سو سالہ تاریخ میں سنہری حروف سے رقم ہے، یہ بدگمانی کہ "میں احادیث کے بارے میں کہہ سکتا ہوں کہ لفظاً لفظاً ان کا کوئی وجود نہیں" (آپ کا خط ۲۵۔ مئی ۱۹۹۸ء - ص ۸۲):

ے بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے! (بالِ جبریل)

اور یہ کہ "مسلمانوں نے احادیث کو بُت بنالیا ہے، پیغمبرؐ نے تو بتوں کا خاتمہ کیا تھا، مسلمانوں نے نئے بُت تراش لئے" (ایضاً ص ۸۳)، اور یہ کہ ان بُتوں (احادیث) کی عبارت نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیا ہے.... "خوار ہیں، بدکار ہیں، ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں" (ایضاً ص ۸۴)۔

ناطقہ سر بگریباں ہے کہ اسے کیا کہیئے

ایسی باتیں وہی لکھ سکتا ہے، جس نے اپنی فکر اور قلب و نظر کے دروازے اپنے آپ پر بند کر رکھے ہوں، یا پھر وہ تجاہلِ عارفانہ سے کام لے رہا ہو۔ افسوس آپ کو راجپال کی محنت شاقہ میں تو کوئی شک نہیں، لیکن احادیث جمع کرنے میں محدثین کرام کی جس محنت شاقہ سے یہ فن "علم اسماء الرجال" ایجاد ہوا، اور ہمارے محدثین اس پر عمل پیرا ہوئے، اور جس کا تذکرہ میں پہلے (ص ۴۳) میں بھی کرچکا ہوں، وہ آپ کی نگاہ میں غیر معتبر اور ناقابلِ قبول ہے، اور جب آپ احادیث کے وجود کو بیک جنبش قلم رد کرتے ہیں (ص ۸۲)، تو پھر کس منہ سے انہیں مزید کھنگالنے کا مطالبہ کرتے ہیں، اور اس کا کیا فائدہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں ایک تصور ہے، اور آپ "اسلام" کو اس کے مطابق ڈھالنا اور دیکھنا چاہتے ہیں، اور یہ ممکن نہیں۔

☆ رہ گیا مسئلہ کہ نواز شریف صاحب کے ایک مزار کی مرمت کے لئے رقم مخصوص کرنے میں یہ راز مضمر ہے، کہ وہ صاحب مزار یا کسی دوسرے ولی اللہ کو مغفرت اور جنت کا ضامن سمجھتے ہیں، تو اس کی خبر یا تو انہیں ہوگی، یا پھر آپ کو، میں ایسے اور دیگر سیاسی یا ذاتی امور پر رائے زنی سے قاصر ہوں، اور نہ یہ میری بحث کا موضوع ہے، تاہم مجھے حیرت ہے کہ تسلیمہ نسرین کے ترمیمِ قرآن کے مطالبے کا حامی، اور اہانتِ رسولؐ پر درگزر

کرنے والا ایسی باتوں کو "فساد فی الارض" کہہ کر گردن زدنی قرار دیتا ہے، جن کا تذکرہ خود اس کے اپنے خطوط میں ہے۔

مجھے افسوس ہے کہ اس اولین موضوع (اہانتِ رسولؐ اور بشپ کی خودکشی) کے ساتھ جس پر آپ نے مجھے مخاطب فرمایا تھا، اور میں نے اخلاقاً آپ کو جواب دینا مناسب سمجھا، مندرجہ بالا اور دیگر بہت سی فروعات کا کوئی تعلق نہیں، اپنی روزانہ زندگی میں کوئی کیا کہتا یا کرتا ہے، یا کیا نہیں کہتا یا کرتا، (اور اس کے لفظ اور عمل کو کیا استناد حاصل ہے)، میں نہ تو اس کا فیصل ہوں، نہ ہی اس میں دلچسپی رکھتا ہوں، اور میرے لئے عملاً یہ ممکن بھی نہیں۔

قرآن، کتب احادیث، تفاسیر و احکام فقہ میں وہ تمام مباحث اور وضاحتیں موجود ہیں جن میں کسی کو بھی مخلصانہ دلچسپی ہو سکتی ہے، بشرطیکہ اسے اس خزینۂ فکر و دانش اور علم و ادب پر اعتماد ہو، ان کتابوں میں کسی بھی خصوصی موضوع پر رہنمائی دستیاب ہے، بشرطیکہ تلاش حق و صدق مقصود ہو، اگر صرف اعتراض، نکتہ چینی اور عیب جوئی ہی مدنظر ہو، تو ایسے کج نگاہ قرآن سے سوائے دشت نوردی کے اور کیا پائیں گے۔

قرآن کا فرمان ہے:-

- ... مَاذَآ اَرَادَ اللّٰہُ بِهٰذَا مَثَلاً م يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْراً وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْراً ط وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ○ (۲-بقرہ-۲۶) - "اللہ کا اس مثال سے کیا (بتلانا) مطلوب تھا، (جب بندے اپنی رائے اور ارادے سے گمراہی اختیار کرنے لگیں) تو (وہ) اسی (مثال) سے بہت سوں کو گمراہ بھی کرتا ہے، اور (ان) بہت سوں کو راہ ہدایت بھی بخشتا ہے، (جو اپنی قوت فکر و نظر سے صحیح کام لیتے رہتے ہیں)، ہاں وہ اس (مثال) سے کسی کو (بھی) گمراہ نہیں کرتا، بجز حکم عدولی کرنے والوں کے"۔

- فَيُضِلُّ اللّٰہُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ د وَهُوَالْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ○

(۱۴ - ابراہیم - ۴) - "پھر اللہ جس کو چاہتا ہے (جو احکام الٰہی سے اعراض کا مرتکب ہوتا ہے، اسے) گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے (اور وہ جو احکام الٰہی کو قبول کرلیتا ہے، اسے) راہ ہدایت دکھادیتا ہے اور وہی غالب ہے، حکمت والا ہے (سب کام اپنی حکمت اور مصلحت تکوینی کے مطابق کرتا ہے)۔

جو لوگ اپنے تصورات اور پہلے سے متعین خیالات کی مطابقت کے لئے قرآن کے معانی تلاش کرتے ہیں، (اور انہوں نے تصورات و خیالات کے بت پال رکھے ہیں)، ان کے لئے مندرجہ بالا آیات میں بھی اعتراض اور نکتہ چینی کے لئے بہت مواد ہے، "جب قرآن ہی گمراہ کرے تو اسے پڑھنے سے کیا حاصل ہوگا؟" بدقسمتی سے مطلوبہ آیات و مضامین سے کسب فیض کئے بغیر، سنی سنائی باتوں یا پراپیگنڈے کی بنیاد پر رائے قائم کرکے بحث میں کود پڑنا، "دانشورانہ وقت گزاری" کا ایک ملی مشغلہ بن چکا ہے۔

۱۰۔ ضرورتِ تجدید ایمان

سیدھے سادے مسلمانوں کی "ذہنی تغسیل" کرکے، فکر کی ایسی بے راہ روی بلکہ گم گشتگی کی ترویج، قرآن و حدیث اور سنتِ رسولؐ کے بارے میں مسلمانوں کے خیال و فکر میں شکوک و شبہات کے جال بُننے، اور رسولِ اکرمؐ سے اُن کی والہانہ محبت و اطاعت کی جڑیں کھود کر ان کے جذبہء ایمان و عمل کو کمزور کرنے کی داخلی اور خارجی مہم بہت پرانی ہے۔ پندونصائح کا لبادہ اوڑھے بغیر، اللہ کے ایک عاجز اور گنہ گار بندے کی حیثیت سے مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں، کہ اگر کوئی شخص اس مہم کا دانستہ یا نادانستہ آلہء کار بننا نہیں چاہتا، تو فکر و نظر کے ایسے بحران میں، جس میں آپ کے ہم خیال مبتلا نظر آتے ہیں، اصلاحِ احوال اور دنیا و آخرت میں فلاح و نجات کے لئے، توبہ و استغفار نیز تجدید ایمان کی اشد ضرورت ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔

میرا خیال ہے کہ میں نے صرف اور صرف قرآن کی روشنی میں، اپنی بہترین صلاحیت کے مطابق رسول اللہ کی مثال (اسوۂ حسنہ)، آپؐ کے اقوال (احادیث مبارکہ) اور چند اہم واقعات (سیرت مبارکہ) کے مطابق، اللہ کے رسولؐ کی اطاعت اور ان سے وفاداری کی اہمیت واضح کردی ہے، اگر یہ وضاحت قطعی اور آپ کو قابل قبول ہے، تو زہے قسمت میں اسے اپنی خوش بختی تصور کروں گا، ایسی صورت میں قانون اہانتِ رسولؐ کا جواز اور بعض دیگر مسائل کا، جو آپ نے متعدد خطوط میں اٹھائے ہیں، سمجھنا آسان ہو جاتا ہے، تاہم اگر بنیادی مسائل میں شکوک و شبہات باقی ہیں تو فروعات کی دلدل میں الجھ جانا ایک سعی لاحاصل ہوگی۔

میں نے وہ خط بھی دیکھا ہے جو آپ نے روزنامہ ڈان میں اشاعت کے لئے ارسال کیا اور ایک نقل مجھے ارسال فرمائی۔ آپ کے خط مورخہ ۳۔ جون ۱۹۹۸ء کا حوالہ اوپر دے چکا ہوں۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ پسند فرمائیں تو ان خطوط میں اٹھائے ہوئے معاملات کے بارے میں سیرت کی مستند کتب سے استفادہ کریں۔

مجھے افسوس ہے کہ میرے پاس اس آسمان کے تلے رہنے والے ہر ایرے غیرے یا ہر کسی کے قول و فعل یا کسی اور شے کے بارے میں بحث میں الجھنے یا بال کی کھال اتارنے کے لئے نہ تو وقت ہے اور نہ ہی دلچسپی، اس ضمن میں، میں آپ سے معذرت خواہ ہوں۔

اگر انجانے میں میرے قلم سے کوئی ایسا لفظ نکل گیا ہو، جس سے آپ کو رنج پہنچنے کا احتمال ہو، تو میں اس کے لئے نہایت عجز سے معذرت کا طلب گار ہوں۔

مخلص

ابوالامتیاز ع۔ س۔ مسلم

اختتام سلسلہ ء خط و کتابت

ایم۔ ایچ۔ کے صاحب کے ساتھ خط و کتابت یہاں ختم ہوئی، اس کی دو بنیادی وجوہ تھیں:

اولاً۔ رسول کریمؐ کے بارے میں اظہار خیال کرتے وقت ان کا نہایت ہی غیر محتاط بلکہ ناشائستہ و غیر مؤدب رویہ، جیسا کہ ان کے خطوط مورخہ ۲۵۔ مئی ۱۹۹۸ء بابت حضرت ماریہ قبطیہ (ص ۸۲) اور مورخہ ۳۔ جون ۱۹۹۸ء میں "لونڈیوں کا حرم" (ص ۸۵) اور دوسرے صفحات سے ظاہر ہے۔

ثانیاً۔ رسول کریمؐ کی ذات اور انؐ کی اطاعت کے بارے میں ایک طے شدہ تصور اور اس کے جواز کے لئے دلائل کی تلاش میں ذہن کا انتشار، جو انہیں بار بار غیر متعلقہ موضوعات کی طرف کھینچ کر لے جاتا رہا، مثلاً:

- بنگلہ دیش کی تسلیمہ نسرین کے بارے میں ان کا خیال کہ وہ اردو نہ جاننے کی وجہ سے دین کی مبادیات سے لاعلم تھی۔

- یا ملتان میں حضرت بہاالدین ذکریاؒ (نہ کہ بابا فرید شکر گنجؒ) کے مزار کی مرمت و نگہداشت کے لئے مبینہ طور پر رقم کی تخصیص، اور اس سے اپنی پسند کے مطالب کا استخراج،

- یا طارق عزیز کے "نیلام گھر" میں قرآن و حدیث کے بارے میں سرسری الفاظ کو، خواہ وہ کتنے ہی ناپسندیدہ تھے، بے سروپا معنی پہنا کر کہ وہ قرآن میں ترمیم

چاہتے ہیں، بلاوجہ مسئلہ کھڑا کرنے اور شاملِ بحث کرنے پر اصرار۔

- یا اہلِ تشیع کی اذانوں کے صدیوں پرانے الفاظ و معمولات وغیرہ کے مسائل میں الجھنے اور الجھانے کی کوشش۔

ان موضوعات کی اپنی اہمیت ہو یا نہ ہو، ان کا اصل بحث سے کوئی واسطہ نہ تھا، کسی بھی صحیح یا غلط اخباری خبر یا سرسری بات کو، جس پر مکتوب نگار کو اپنی مخصوص افتادِ طبع کی بنا پر اعتراض ہو، بلاوجہ داخلِ گفتگو کر کے خلط مبحث کرنے والی بات ہوتی، یہ ایک سعی لاحاصل کی دلدل تھی جس میں ملوث ہونے کا راقم الحروف کا قطعاً کوئی ارادہ نہ تھا، اور جیسا کہ خط و کتابت سے ظاہر ہے ایسا کرنا بے مقصد لامتناہی سلسلہ ثابت ہو رہا تھا، جسے بند کرنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔

تاہم اب اصل موضوع کی طرف لوٹتے ہوئے کچھ مزید نقاط کی وضاحت عام افادیت سے خالی نہ ہوگی۔

قرآنِ کریم میں تعظیم و تکریم رسولؐ ○

"عقائد پر استقامت، عبادت پر مداومت اور حُسنِ اخلاق، توفیقِ عشق و محبت ہی کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

اتباعِ رسولؐ کے لئے محبت پہلی شرط ہے، صحابہؓ کی زندگیاں عبادت و اخلاق کا حسین مرقع تھیں، مگر جو چیز اُن کے اعزاز کا اثاثہ نظر آتی ہے، وہ ان کا جذبہء عشق و محبت ہے، یہی جذبہ اُن کو میدانِ جہاد میں سر بکف کھڑا کر دیتا تھا، اور اسی عقیدت کی بنا پر وہ دشمنانِ رسولؐ کو ذلت کی موت سلا دیا کرتے تھے"۔ ○

○ الفاظ مولانا حکیم قاری احمد پیلی بھیتی، در مضمون دربارہ غازی عبدالقیوم شہیدؒ، سہ ماہی "محراب و منبر" قادری مسجد، سولجر بازار، کراچی۔ (جنوری تا مارچ ۱۹۸۸ء)

اس جذبہء عشق و محبت کا عملی مظہر وہ بلا حیل و حجت اطاعت تھی، جس کا مظاہرہ ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگیوں میں موجِ خون کی طرح متحرک نظر آتا ہے، اور یہ اس لئے بھی کہ آپؐ کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت تھی۔

اپنے رسولؐ کی حیثیت سے آپؐ کی اطاعت و متابعت کو اپنی اطاعت و متابعت سے منسلک کرلینے، اور اس کے وجوب کی تاکید کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی تعریف و توصیف قرآن کریم میں خاص اہتمام سے فرمائی، تاکہ عالمِ انسانیت کے لئے آپؐ کی اہمیت اور باری تعالیٰ کے نزدیک آپؐ کی تعظیم و تکریم، قدر و منزلت اور اس کی نوعیت صفحہ ءِ کائنات پر ثبتِ دوام رہے، اور اس ذاتِ عُلا کے علاوہ اور کون آپؐ کے مدارج و مراتب کا دانا ہوسکتا ہے۔

لَا يُمْكِنُ الثَّنَاءُ كَمَا كَانَ حَقُّهٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

(شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ)

یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ اگر کسی ذہن میں آپؐ کی اطاعت، محبت، عزت و عظمت اور ننگ و ناموس کے بارے میں ذرا سا بھی ابہام ہو، تو رفع ہو جائے، چنانچہ آپؐ کی ہمہ جہت صفات کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

○ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ج وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ○ (۳ - آل عمران - ۱۶۴) "بے شک اللہ نے مومنوں پر (اور ان کی وساطت سے جمیع عالمِ انسانیت پر) بڑا احسان فرمایا، کہ ان میں، انہیں کے درمیان میں سے (ایک بشر) کو پیغمبر مبعوث فرمایا۔ (اور ان کا بشر ہونا نہ صرف خود عالمِ بشریت کی عظمت و توقیر ہے، بلکہ یہ اشارہ ہے کہ ایک بشر کی حیثیت سے رسولؐ کے اسوہء

حسنہ کی تقلید دشوار یا ناممکن نہیں، بلکہ ان کا فرمان و عمل ہر دوسرے بشر کے لئے عین قابل عمل ہے)، جو اُن کو اُس کی آیتیں پڑھ کر سناتا (اور تبلیغ و پیغام رسانی کا فرض ادا کرتا) ہے، اور ان (کے دلوں) کو پاک و صاف کرتا ہے، (وہ مصلحِ اعظم ہے، اس لئے اخلاق کی پاکیزگی اور نیتوں کے اخلاص کی کشت کاری و آبیاری کرتا ہے)، اور انہیں کتاب اور حکمت و دانش کی تعلیم دیتا ہے (کیونکہ وہ بہترین معلّم ہے، اس لئے صرف تبلیغ و ترسیلِ پیام پر اکتفا نہیں کرتا، بلکہ تعلیم، تفہیم اور تربیت پر بھی بھرپور توجہ دیتا ہے)، بے شک لوگ اس (نورِ ہدایت، قرآن کے دستور العمل اور نبیؐ کے اسوۂ حسنہ) سے قبل صریح گمراہی (کے اندھیروں میں) بھٹک رہے تھے"۔ کیونکہ ان کے پاس کوئی چراغ ہدایت اور نمونۂ عمل نہیں تھا۔

تو آپ کی شان یہ ہے کہ وہ عالم پر اللہ کا احسان اور اس کی رحمت ہیں، اور یہ احسان اتنا عظیم ہے کہ اللہ خود نوعِ انسانی کو اس کی اہمیت جتلا رہا ہے۔ اور آپؐ کی اسی عظمت اور رافت و رحمت اور وقعت کی مزید توضیح کرتے ہوئے فرمایا:

- هُوَالَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلاً مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۥ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ (۶۲ - جمعہ - ۲) "وہی (ذاتِ پاک) ہے، جس نے اُمّی لوگوں (اَن پڑھ عربوں اور کتب سماوی سے نابلد مشرکوں) میں انہیں (کی قوم یا نوع انسانی) میں سے (انہیں جیسا ایک بشر جو ہم جنس ہونے کی وجہ سے قابل تقلید ہے، نہ کہ فرشتہ جس کی مثال ناقابلِ عمل ہو) رسولؐ بناکر بھیجا، جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب (قرآن کے اسرار و رموز) اور دانائی کی باتیں سکھاتا ہے، حالانکہ (آپ کی) بعثت سے قبل وہ کھلی گمراہی میں مبتلا تھے"۔

تو پھر کیوں نہ اس معلّمِ دوجہاںؐ اور مرشدِ کامل کی مکمل اطاعت و پیروی کی جائے، اور جس کی پیروی منظورِ خاطر ہو گی اس کا منطقی تقاضا یہ ہے کہ اس پر یقینِ کامل ہو، اور اس کے ہر فیصلے، قول اور عمل کے سامنے بلا چون و چرا سر تسلیم خم کر دیا جائے، اس کے لئے بھی وفورِ شوق اور جذبۂ محبت لازم ہے، ورنہ زبان سے اقرار اور دل سے انکار یا ہچکچاہٹ کسی بھی دینی یا دنیاوی معیار سے منافقت اور کفر قرار پائے گا۔

○ پھر فرمایا: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ○ (۹ - توبہ - ۱۲۸) "بے شک تمہارے پاس تمہاری ہی جنس (اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ - ۱۸ - کہف - ۱۰۰) سے ایک رسولؐ آئے ہیں (وہ تمہارے دُکھ سکھ کو خود محسوس کرتے ہیں) اور جس چیز سے تمہیں تکلیف پہنچنے کا احتمال ہو، وہ ان پر بہت گراں گزرتی ہے، وہ تمہاری فلاح و بہبود کے شدت سے آرزومند (اور اس میں کوشاں) رہتے ہیں۔ (وہ ساری خلق اللہ پر تو مہربان ہیں ہی)، ایمان والوں کے حق میں تو (بالخصوص) بڑے شفیق اور رحیم ہیں"۔

یہ ایک زندہ جاوید نعت ہے جو خالق کی زبان سے اپنے محبوب کی شان میں ادا ہوئی، اور یہ وہ قرآن ہے جس کو آپ حق اور ناقابلِ تبدل تسلیم کرتے ہیں، پھر آپ کیسے یہ کہہ سکتے ہیں، کہ ان کی کہی ہوئی بات (حدیث) معتبر نہیں؟

○ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّ نَذِيْرًا ○ (۳۳ - احزاب - ۴۵) "اے نبیؐ بے شک ہم نے آپ کو بطور گواہ کے، اور بشارت دینے والے کے، اور ڈرانے والے کے بھیجا ہے"۔

آپؐ اپنی امت اور جمیع عالم انسانیت پر اللہ کا پیغام نازل ہونے کے بعد لوگوں کے قول و عمل کے بارے میں گواہ ہیں، اور آپؐ بشارت دینے والے ہیں لوگوں کو ایمان و ہدایت کی، اور اہلِ اطاعت کو حشر میں مغفرت اور ان کے اجر کی، اور آپ

تنبیہ کرنے والے ہیں معصیت کاروں کو کہ وہ اعمالِ سوء سے بچتے رہیں، اور مکافاتِ عمل سے ڈریں۔

یہ صفات صرف آپؐ کی ذات کے ساتھ مختص ہیں اور اللہ تعالیٰ نے خصوصی طور پر ان کا ذکر کرکے آپؐ کی تکریم و توصیف فرمائی ہے۔

- وَّدَاعِیاً اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَ سِرَاجاً مُّنِیْراًo (۳۳ - احزاب - ۴۶) "اور آپؐ اللہ کی طرف، اس کے حکم کے مطابق (نہ کی اپنی طرف سے باتیں بناکر، لوگوں کو) دعوتِ حق دیتے ہیں، اور آپ ایک روشن چراغ ہیں"۔

جس طرح چراغ سے چراغ جلتا جاتا ہے، اسی طرح آپؐ کی ہدایت کی روشنی ایک آدمی سے دوسرے آدمی تک، ایک ذہن سے دوسرے ذہن میں اور ایک قلب سے دوسرے قلب میں منتقل ہوکر اُسے بھی منور کرتی، روشنی کا ایک سلسلۂ لامتناہی قائم کرتی جاتی ہے، آپؐ کی مثال چراغ کے بجائے سورج سے بھی دی جاسکتی تھی، تاہم سورج خود تو منور ہے اور جس شے پر اس کی روشنی پڑے اُسے بھی منور کردیتا ہے، لیکن اس کی ذات کے اندر چراغ کی طرح نور اور روشنی کی خاصیت پیدا نہیں کرسکتا جو اسے آگے منتقل کرسکے۔

- وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمْ تَكُنْ تَعْلَمُط وَكَانَ فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْكَ عَظِیْماًo (۴ - نساء - ۱۱۳) "اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت اتاری، اور آپؐ کو وہ علوم عالیہ جو نبوت سے قبل آپ پر منکشف نہ تھے، عطا فرمائے، اور یہ (کتاب کا نزول، حکمت کی عطا، علوم خاصہ کی تعلیم اس امر کے شواہد ہیں کہ) آپؐ پر اللہ تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہے"۔

- وَ بَشِّرِالْمُؤْمِنِیْنَ بِاَنَّ لَھُمْ مِّنَ اللّٰہِ فَضْلاً كَبِیْراً o (۳۳ - احزاب - ۴۷) " اور آپ ایمان والوں کو بشارت دے دیجئے کہ (آپؐ کی ذات

میں) ان پر اللہ کی طرف سے بڑا ہی فضل ہے"۔

اس نسبت سے انہیں دنیا میں دولتِ ایمان و یقین، علم و حکمت، علوم و فنون، اور غلبہ و نصرت اور آخرت میں عفو و مغفرت حاصل ہوگی، بلکہ ایزادِ فضل یہ ہے کہ ہر نعمتِ اخروی کو بقائے دوام حاصل ہوگی۔

- فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ج وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا انْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِى الْاَمْرِ ج (۳ - آل عمران - ۱۵۹) "سو یہ اللہ کی رحمت ہی کے سبب سے ہے کہ آپؐ ان (لوگوں) کے ساتھ (جو جنگ احد میں آپ کی حکم عدولی کر کے مسلمانوں کی شکست و فضیحت کا باعث بنے تھے)، نرم دل رہے (ان کے بارے میں آپ کی رحم دلی اللہ ہی کے حکم سے ہے، حالتِ جنگ میں خود رائی سے کام لینے والی سپاہ کے ساتھ شفقت و ملاطفت کا یہ سلوک شاید ایک بے مثال واقعہ ہے)، اور اگر آپ تند خُو اور سخت طبع ہوتے تو لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے، سو آپ ان کو معاف فرما دیجئے اور ان کے لئے مغفرت طلب کیجئے، اور ان سے (حسبِ دستور) معاملات میں مشورہ بھی لیتے رہیئے"۔ (یعنی اس جرم کے باوجود ان سے حُسنِ سلوک روا رکھئے اور انہیں حقِ رائے دہی سے محروم نہ فرمائیے)۔

چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ آپؐ نے زبانی بھی ان خطا کاروں کی تہدید نہ فرمائی، اور اللہ کے حکم سے آپؐ کی جانب سے ان کی مغفرت طلب کرنے سے ان کے سارے گناہ معاف ہوگئے۔

آپؐ کی عظمت و رحمت کی یہ ایک مثال ہے، کہ اللہ آپؐ کی زبانِ مبارک سے ان کی مغفرت طلبی کرواتا ہے، اور اللہ نے بطور خاص قرآن میں اس کا ذکر کیا، اس کے بعد بھی اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ آپؐ کا قول (حدیث) یا عمل (سنت) چونکہ آیاتِ

قرآنی نہیں اس لئے اس کو تسلیم کرنا یا اس کی اطاعت اس پر لازم نہیں، تو اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہو گی۔

- لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ٥ (۱۵- حجر - ۷۲) (اللہ تعالیٰ نے رسول کریمؐ پر قوم لوطؑ کا قصہ بیان کر کے کہا) "تمہاری جان (عمر، زندگی کی صداقت و پاکیزگی) کی قسم، وہ (قوم لوطؑ کے لوگ) اپنی مدہوشی (نشہء غفلت) میں (بالکل) بہکے ہوئے تھے"۔

آپؐ کی عمر اور زندگی کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی وہ تعظیم اور عزت افزائی فرمائی ہے، اور اسے بطور گواہ پیش کیا ہے، کہ شاید کسی اور پیغمبر کو یہ سعادت نصیب نہیں ہوئی۔ کیا ایسے مکرم و معظم رسولؐ کی، جس کی وہ ذاتِ پاک خود قسم کھائے، بے اطاعتی اور نافرمانی کو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا؟

- اللہ نے قرآن کے اور متعدد مقامات پر آپؐ کے نام کی قسم کھا کر آپؐ کو عزت و تعظیم بخشی، فرمایا:

يٰسٓ ج وَالْقُرْآنِ الْحَكِيْمِ٥ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ٥ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ٥ (۳۶ - یٰسین - ۱/۲/۳/۴) "یٰسین! قسم ہے قرآنِ حکیم کی (اور قرآن بھی گواہ ہے اور اس امر میں کسی کو کوئی غلط فہمی، شک یا ابہام نہیں رہنا چاہئیے کہ) تُو بے شک (اللہ کے) رسولوں میں سے ہے، اور (تُو) صراطِ مستقیم پر ہے"۔

اب اگر کوئی کہے کہ آپ کے قول و عمل (حدیث و سنت) یا اسوۂ حسنہ کا کوئی وجود ہی نہیں، یا وہ قابلِ عمل نہیں، کیونکہ اُسے یہ اعتماد ہی نہیں کہ وہ صراط مستقیم بھی ہے یا نہیں، اور اس تک صحیح پہنچا ہے یا نہیں، تو پھر یہی کسر باقی رہ جاتی ہے، کہ عملاً اسے یہ بھی یقین نہیں کہ آپؐ کی زبان سے اُس تک قرآن بھی صحیح حالت میں نہیں پہنچا، اور ایسا ہے تو اس کے کلام الٰہی ہونے اور محفوظ ہونے کے تمام دعوے باطل

ہیں۔ (نعوذ باللہ من ذالک)۔

- اس کے علاوہ بھی اللہ نے آپؐ کو ایسے ناموں سے پکارا جن سے آپؐ کی خصوصی تعظیم و تکریم مقصود ہے مثلاً:

یٰۤاَیُّھَا الْمُزَّمِّلُ، یٰۤاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ، طٰہٰ، احمد، محمد، نُورِ مبین، عُروۃ الوثقٰی، بشیر، نذیر، مُنْذِر، ہادی، سراجِ منیر، داعی الی اللہ، رحمتً للمومنین، رحمت للعالمین، رؤُف، رحیم، بُرہان، معلِّم، مُزَکّی۔

اور سب جانتے ہیں کہ ان میں سے بہت سی صفاتِ ربی ہیں، جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے آپؐ کے لئے مختص کردیں، آپؐ کا سینہ کھول دیا (اَلَمْ نَشْرَحْ لَکَ صَدْرَکَ)، آپ کا بوجھ اتاردیا (وَ وَضَعْنَا عَنْکَ وِزْرَکَ)، آپؐ کا ذکر زمینوں اور آسمانوں پر بلند کردیا (وَرَفَعْنَالَکَ ذِکْرَکَ)۔

اور آپؐ کا نام اپنے نام کے ساتھ منسلک کردیا، پنج وقتہ اذان، کلمہء طیبہ، کلمہء شہادت، جو جزوِ ایمان ہیں ان میں ہر جگہ خالق کے نام کے ساتھ اس کے اس خاص بندےؐ کا نام قیامت تک زبان زدِ عام ہے، اور یہ نام، اللہ کے نام کے ساتھ یوں منسلک ہے جیسے دونوں ایک ہی نام کے جزو ہوں، آپ اس کے قول کو غیر معتبر گردانتے ہیں؟

- اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِکَتِهٖ وَکُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۝ (۲-بقرہ-۲۸۵) "رسولؐ (خود) ایمان لائے اس (قرآن) پر، جو اُن کے رب کی طرف سے اُن پر نازل ہوا، اور سب مومنین (بھی) ایمان رکھتے ہیں اللہ پر، اور اس کے فرشتوں پر، اور اس کی کتابوں پر، اور اس کے رسولوں پر، اور (کہتے ہیں کہ) ہم اس کے (تمام) پیمبروں میں باہم کوئی فرق نہیں کرتے (سبھی کو تسلیم کرتے ہیں)، اور کہتے ہیں کہ ہم

نے سن لیا اور ہم نے (سنتے ہی بلا حیل و حجت) اطاعت کی"۔

اے اللہ! تو ہمارے ظاہر اور ہماری قلبی کیفیت کو جاننے والا ہے، اور دونوں کے بارے میں تیری بازپرس سے مفر نہیں ہے (۲- بقرہ-۲۸۴)، اس لئے ہم فوراً سر تسلیم خم کرتے ہیں، اِدھر سُنا، اور اُدھر اطاعت کی، اور اس سننے اور اطاعت کرنے میں اللہ کے ساتھ رسولؐ کی اطاعت بھی اسی اہمیت کے ساتھ شامل ہے۔

○ اپنی نعمتوں کی آپؐ پر تکمیلِ مزید کے لئے مہمانی عرش (معراج) کا شرف عطا فرمایا، خاتم النبیینؐ کا تاج سر پر رکھا، تمام انبیاء کی سیادت و امامت عطا کی:

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ○ (۳ - آل عمران - ۸۱) -

"اور جب اللہ نے (تمام) انبیاءؑ سے یہ عہد لیا کہ میں تمہیں جو کچھ از قسمِ کتاب و حکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسولؐ اس (چیز) کی تصدیق کرنے والا آئے، جو تمہارے پاس ہے، تو تم پر اُس رسولؐ پر ایمان لانا اور اس کی اعانت کرنا (لازم ٹھہرا، پھر اللہ نے دریافت فرمایا)، کیا تم اس پر ایمان لانے اور اس کی اعانت کا اقرار کرتے ہو اور اس (بات) پر میرا عہد قبول کرتے ہو؟ وہ بولے، (ہاں) ہم اقرار کرتے ہیں، (اللہ نے) فرمایا، تو (اب) گواہ رہنا (کہ یہ عہد استوار ہوا، اور تم نے ایک ذمہ داری قبول کی، اب کسی صورت میں یہ عہد شکنی نہ ہو)، اور میں بھی تمہارے ساتھ (تم پر اور اس عہد پر) گواہ ہوں"۔

○ پھر آپؐ کی، انبیاءؑ کی سرداری اور سروری کی اسی نسبت سے آپ کی امت کو بھی

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطاً لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْداً ۝ (۲ - بقرہ - ۱۴۳) - کی خلعت پہنا کر امتِ وَسْطیٰ (عادل و معتدل) کے خطاب سے سرفراز کر کے نوعِ انسانی پر گواہی کے منصب سے سب امتوں پر عزت افزائی فرمائی، "اور رسولؐ تم پر گواہ ہوں گے"، کہ تم نے اپنا فرض بہ احسن طور سرانجام دیا؟ سو اگر رسولؐ کے قول (حدیث) ہی کوئی حیثیت نہ ہوئی تو ان کی گواہی کیا ہو گی؟

- پھر اسی امت کو كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ۔ (۳ - آل عمران - ۱۱۰) کا منشور دے کر عزم و یقین کی دولت سے یوں مالا مال کیا "کہ تم بہترین جماعت ہو، جو نوعِ انسانی کے درمیان بھیجی گئی (تمہارے رسولؐ پر، اور اس کے ذریعے تم پر، شریعت مکمل کر دی گئی، دین کی تکمیل ہو گئی، علوم و معارف کے دروازے بھی تم پر کھول دیئے گئے، ایمان و عمل اور خلوص و تقویٰ کی کشتِ شاداب سے تمہاری سیرابی کے انتظامات مکمل ہیں، قبائل و اوطان و اقوام کی قید سے نکل کر تمہارا دائرہ عمل سارے عالم پر اور انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے، چنانچہ) تم نیکی کا حکم دیتے ہو (اور اسے قائم کرتے ہو)، اور برائی سے روکتے ہو (اور ان دونوں عوامل میں ہر قسم کی خیر شامل ہے)، اور تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور ایمان یہ ہے کہ اللہ ہی سب علم، حکمت، قوت، طاقت اور خیر کا منبع ہے، اور اس کی اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کے بغیر جس کے صدقے میں تمہیں یہ منصب حاصل ہوا، تم یہ کارِ منصبی سرانجام نہیں دے سکتے، اس لئے یقین و ایمان اور اطاعت و فرمانبرداری کی یہ شمع ہر لمحہ دلوں میں روشن رہے۔

قرآن اسی انداز سے آپؐ کی شان، تکریم و تعظیم سے معمور ہے۔

○ اس نبیؐ کی عزت و تکریم کی کیا حد ہے جن پر اللہ اور اس کے فرشتے نہ صرف خود رحمت و سلام بھیجیں، بلکہ ابد تک کے لئے مومنوں کو حکم ہو کہ وہ بھی ایسا ہی کریں ... اِنَّ اللّٰهَ وَ مَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ ط يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا٥ (۳۳ - احزاب - ۵۶) "بلاشبہ اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر سلام بھیجتے ہیں، اے ایمان والو (تم بھی) آپ پر رحمت اور خوب سلام بھیجتے رہو"۔

وہ افضل البشرؐ جس کی مدح و ثنا سے قرآن لبریز ہے، اور جس کی تعریف و تعظیم اور توقیر و تکریم تمام انبیاء، حکماء، دانشوروں، شاعروں اور مفکروں نے کی اور کرتے ہیں، اور کرتے رہیں گے اور جو مسلمانوں کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں ... اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ (۳۳ - احزاب - ۲)، اور وہ ان پر، ان کے نام و ناموس، عزت و حرمت اور آبرو و احترام پر کٹ مرنے، اور اپنی جانوں کو نچھاور کرنے کے لئے ہمہ تن اور ہمہ وقت آمادہ رہتے ہیں اور اللہ نے جن کی اطاعت کو اپنی اطاعت گردانا، کیا ان کا قول (نعوذ باللہ) وجود ہی نہیں رکھتا، یا اتنا غیر معتبر ٹھہرا کہ وہ قانون کی بنیاد نہیں بن سکتا، یا انؐ کی متابعت نہ کی جائے، اگر کوئی ایسا سوچتا ہے، تو اس ذہن بیمار کا علاج بھی محمدؐ کی بے چون و چرا غلامی و اطاعت کے سوا اور کوئی نہیں۔

حیرت ہے کہ عام بادشاہ، امیر، سلطان اور سربراہِ مملکت جو کرسیٔ اقتدار پر متمکن ہے تو منبعِ قانون ہو سکتا ہے، اور بمعہ دورِ حاضر کے ہمیشہ رہا ہے، لیکن شاہِ ہر دوسرا، سالارِ قافلۂ انبیاء، کافۃ الناس کی طرف مبعوث اللہ کا آخری رسولؐ جس پر دین مکمل ہوا، اس کا اہل نہیں کہ اسؐ کا قول سرچشمۂ قانون ہو۔

نبیؐ کی ذات کو ایذا رسانی

ان چند مثالوں سے واضح ہے کہ نبی کریمؐ بطور انسانِ کامل نہ صرف، سرورِ کل انبیاء تھے، بلکہ معلّمِ کائنات بھی، جنہیں اللہ تعالیٰ نے جمیع عالمِ انسانیت پر، اُس کی طبعی اور فطری خامیوں اور کمزوریوں کے باعث، ہدایت و اصلاح کے لئے، اپنے کمالِ رحمت اور کمالِ احسان سے آپؐ کو رسول مبعوث فرمایا، ورنہ عام بشر کی کہاں مجال تھی کہ اسے براہِ راست اللہ سے تحصیلِ ہدایت کا یارا ہوتا۔

○ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْمِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْيُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَايَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○ وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ؕ (۴۲ - شوریٰ - ۵۱/۵۲) "اور کسی بشر کا مرتبہ نہیں (عام قوائے بشری اس قابل نہیں) کہ اللہ اُس سے (براہِ راست) کلام کرے، مگر ہاں! یا تو بذریعہ وحی (بلا واسطہ مدرکاتِ طبعی، قلب پر نزولِ کلام کر دیا جائے)، یا کسی حجاب سے تکلم کیا جائے (یہ حجاب، حجابِ عظمت ہے، نہ کہ کوئی مادی پردہ)، یا کسی قاصد (فرشتہ) کو بھیج دے، جو اللہ کے حکم سے وہ وحی پہنچا دے جو اللہ کی منشاء و مشیت ہے، بے شک وہ بہت حکمت والا ہے" (کہ اپنے بندوں کی اہلیت اور مصلحت کے پیش نظر ترسیل ہدایت کے اسلوب اختیار کئے)، "اور اسی طرح (اے رسولؐ) آپؐ پر اپنا حکم (قرآن) وحی کیا"۔

اور پھر خود ہی ذاتِ باری تعالیٰ نے آپؐ کے بارے میں یہ گواہی دی:

وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○ (۴۲ - شوریٰ - ۵۲) "اور اس میں کوئی شک (و شبہ) نہیں کہ آپؐ اس (کتاب کے ذریعہ سے) راہِ راست ہی کی ہدایت کر رہے ہیں"۔

اور اسی لئے نہ صرف منصبِ رسالت کے حامل ہیں، بلکہ آسمانوں اور زمین میں ہر عزت و تکریم کے حق دار ہیں، ہم بہ نفسِ نفیس اور ہمارے فرشتے اور تمام مومن مرد اور عورتیں آپ پر سلام و رحمت بھیجتے ہیں، ہم نے آپؐ کے عِزّ و شرف اور مدح و صلوٰۃ کو بذریعہ وحی، قرآن میں ہمیشہ کے لئے مرتسم کرکے تحفظ کی مہر لگادی، ایسا کرکے ہم نے عالمِ انسانیت پر اپنا فضل و کرم اور احسان کیا، اور انہیں نہ صرف اس کا احساس دلایا بلکہ آپ کی تعظیم و تکریم بھی ان پر واجب کی۔

اللہ کے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہونے اور آپ کی شان اور عزت و تکریم کے استقرار نیز ذاتِ باری تعالیٰ کی جانب سے آپ کے مراتب و مناصب، مدحت و توصیف اور شانِ محبوبی کی بار بار یاد دہانی کے بعد، تصویر کے دوسرے رخ کے طور پر یہ تنبیہ بھی عین مناسب ہوگی، کہ اس سے روگردانی، آپ کے بارے میں بدگوئی، ہرزہ سرائی، اہانت اور ایذا رسانی کس انجام اور ہیبت ناک سزا کو دعوت دیتی ہے۔

- اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللهَ وَ رَسُوْلَه' لَعَنَهُمُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالآخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَاباً مُّهِيْناًo (۳۳ - احزاب - ۵۷) "بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کو (بدگوئی، ہرزہ سرائی، دشنام طرازی، اتہام تراشی یا احکام کی نافرمانی سے) ایذا پہنچاتے رہتے ہیں، (خواہ وہ کافر و مشرک ہوں یا برائے نام مسلمان منافق)، اللہ انہیں دنیا اور آخرت (ہر دو جہاں) میں لعنت کا مستوجب قرار دیتا ہے، اور ان کے لئے (اس نے) ذلیل کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے"۔

اللہ کی ذات تو دکھ، تکلیف اور درد و غم سے بے نیاز ہے اور کس انسان کی مجال ہے کہ وہ اُسے ایذا یا دُکھ پہنچائے جس سے اسے صدمہ و رنج ہو، یہ احساسات تو صرف بشریت کا خاصہ ہیں، سو اللہ کا ایذا کے معاملے میں رسولؐ کے ساتھ اپنے آپ کو شامل کرنا نہ صرف آپؐ کے اعزاز و اکرام کا اظہار ہے، بلکہ یہ تنبیہ بھی ہے کہ وہ جس طرح

رسولؐ کی اطاعت اور محبت کو اپنی اطاعت اور محبت کہتا ہے، اسی طرح رسولؐ کی اہانت کو اپنی اہانت تصور فرماتا ہے، ایسا کرنے والا خواہ کوئی بھی ہو، اس کا انجام دردناک ہے، اُس پر اللہ کی لعنت ہے، اور اللہ کی لعنت کا طوق جس کی گردن میں پڑ گیا، اس کی نجات ہو چکی، چنانچہ آخرت میں ایک ہیبت ناک عذاب اس کا منتظر ہے۔

دنیا میں جہاں جہاں بھی مسلمان بستے ہیں اہانت کے مرتکب مجرم کی زندگی عذاب الیم سے کم نہیں خواہ وہ بشپ جان کی طرح خودکشی کر کے جمیع نوعِ انسانی کا خون اپنی گردن پر لے لے اور اپنے ہاتھوں اپنے لئے عذابِ دوزخ کا انتخاب کر لے، یا راجپال، نتھو رام اور منظور مسیح کی طرح (اگر قانون داد رسی نہیں کرتا تو) غیرتِ مومن کے ہاتھوں جہنم واصل ہو جائے، یا پھر سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین کی طرح ساری زندگی سوتے جاگتے خوف و خطر اور دہشت و ہراس کے کانٹوں پر کروٹیں بدلتے، آخرت میں "عذاب مُّھین" کا انتظار کرے۔ ہونی ہو کر رہے گی، تاہم اللہ تعالیٰ نے توبہ و اصلاح کے دروازے ہر اس شخص کے لئے جو ان کا طلبگار ہو، ہر وقت کھلے رکھے ہیں۔

○ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ○ (۹ - توبہ - ۶۱)
"اور جو لوگ بدگوئی کرتے ہیں اللہ کے رسولؐ کی (وہ مت سمجھ لیں کہ ہر قسم کی تنقید و تنقیص ان کا "انسانی حق" ہے، یا ان کے عمل کی اللہ کو خبر نہیں)، ان کے لئے عذاب دردناک ہے"۔

کیا یہ وعیدیں " متلاشی حق" (ص ۲۴) کے لئے کافی نہیں، حالانکہ قرآن کریم جگہ جگہ بغرضِ تنبیہ و اصلاح ان کی یاد دلاتا رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف آپؐ کی مدحت و توصیف اور تعظیم و تکریم کی، بلکہ بطور خاص حکماً بھی کہا آپؐ کی مدد و اعانت اور عزت و توقیر ایک معمول کے طور کی جائے۔

○ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے اعزاز میں فرمایا :

لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ط وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلاً ○ (۴۸ - فتح - ۹) " تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاؤ اور اس کی اعانت کرو، اور اس کی تعظیم کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح میں لگے رہو"۔

بعض مفسرین نے "ایمان لاؤ" اور "اس کی تسبیح میں لگے رہو" کو بجا طور پر اللہ کی طرف منسوب کیا ہے، تاہم "اس کی اعانت کرو اور اس کی تعظیم کرو" کو رسول اللہؐ سے منسوب کیا ہے، جیسا کہ ۳-آل عمران - ۸۱ میں ہے کہ ثُمَّ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ط یعنی اے گروہِ انبیاء جب تمہارے پاس کوئی رسولؐ اس (چیز یعنی صحائف) کی تصدیق کرنے والا آئے، جو تمہارے پاس ہے، تو تم پر اُس رسولؐ پر ایمان لانا اور اس کی اعانت کرنا شرط ہے"۔ (ص ۱۱۶) اگر ایسا ہے تو آپ کی تعظیم و توقیر کے وجوب کے کیا کہنے، اور اگر یہ سب ضمیریں حق تعالیٰ ہی کہ جانب ہیں، تب بھی اپنے ساتھ رسولؐ کا نام لے کر اللہ نے آپ کی تعظیم و توقیر کی اہمیت واضح کر دی ہے۔

یہ کوئی نئی بات بھی نہیں ہے، سربراہانِ مملکت، بادشاہوں اور جہاں بانوں بلکہ ان کے امراء تک کے القابات و خطابات مقرر ہوتے ہیں، جیسے قیصر، کسریٰ، تاجدار، ظلِ اللہ، ظلِ الٰہی، خسرو، سلطان، شاہ، جہانگیر وغیرہ، غرضیکہ اپنے اپنے رواج اور ظرف کے مطابق تمام ملک اور معاشرے اپنے اولی الامر کی عزت و تعظیم کے لئے القاب و آداب مختص کرتے ہیں۔

قائداعظم کو اس لقب سے تو ساری ملتِ اسلامیہ ہی یاد کرتی تھی، لیکن استقلالِ پاکستان کے بعد اس لقب کو قومی اسمبلی میں قرار داد کے ذریعے ایک قانونی شکل دے دی گئی، تاکہ ہر کہ ومہ اور موافق و مخالف پر اس لقب کے ذریعے آپ کی عزت و توقیر

واجب ہو جائے۔

چنانچہ باری تعالیٰ نے حکماً بھی اپنے محبوب کی تعظیم و توقیر واجب قرار دے دی۔

- اللہ تعالیٰ کو تو یہ بھی گوارا نہیں کہ کوئی اس کے رسولؐ کے سامنے اپنی آواز بلند کرے، فرمایا: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَکُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَلَا تَجْھَرُوْا لَہٗ بِالْقَوْلِ کَجَھْرِ بَعْضِکُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ وَاَنْتُمْ لَاتَشْعُرُوْنَ○ (۴۹- حجرات-۲) "اے ایمان والو! اپنی آوازوں کو پیمبرؐ کی آواز سے بلند نہ کرو، اور نہ ان سے ایسے کھل کر (بے باکی اور بے تکلفی سے) بولا کرو، جیسے آپس میں کھل کر بولا کرتے ہو، مبادا (اسی بے ادبی سے) تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں خبر تک نہ ہو"۔

گویا آپ کی محفل کے آداب بھی خاص ہیں، بعض فقہاء نے "لَا تَرْفَعُوْٓا" کی ایک ممانعت سے ذیل کے نتائج اخذ کئے ہیں:

۱۔ آپؐ کے حضور گفتگو بلند آواز سے نہ کی جائے۔

۲۔ درشت کلامی، دلیل بازی، جھگڑا اور بے ادبی (آپس میں بھی) حضور اقدسؐ کے مواجہ میں ناجائز ہے۔

۳۔ زیادہ بک بک اور بے فائدہ گفتگو ممنوع ہے۔

۴۔ آپؐ کے حضور گستاخ و بیباک بن جانا یا خائف و باادب نہ رہنا خلاف احترام ہے۔

اگر یہ ادب و احترام ملحوظِ خاطر نہ رکھا جائے تو بہ الفاظِ آیت کریمہ یہ صرف بے احتیاطی اور باعثِ سرزنش ہی نہیں، بے خبری میں عمر بھر کے تمام دوسرے اعمال خیر بھی ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہے، اور یہ بہت بڑی وعید ہے۔

○ اقبالؒ نے جن کے آپ بھی معترف ہیں، مثنوی "اسرار و رموز" کے حصہ "رموزِ بے خودی" میں ایک پورا باب قائم کیا ہے کہ ملتِ اسلامیہ کا حسنِ سیرت اسی میں مضمر ہے کہ محمدؐ کے آدابِ محفل کی پیروی کی جائے، باب کا عنوان ہے "در معنیٔ ایں کہ حُسنِ سیرتِ ملّیہ از تادّب بآداب محمدیہؐ است" ۔ اور آپؐ کے بارے میں بدگوئی، دشنام طرازی، اتہام تراشی، تنقید و اعتراض بلکہ محض غیر محتاط رویے کے پردے میں بھی اعراض و عیب جوئی سے بڑھ کر بے ادبی کیا ہے۔

تضحیکِ رسولؐ کفر ہے

یہ تنبیہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آپ کی ذاتِ مبارکہ کے بارے میں کوئی ہلکی بات یا تبصرہ یا تفننِ طبع کے طور پر گفتگو بھی کفر کی حد تک پہنچا دیتی ہے۔ منافقین اپنی مجلسوں میں اسلام و پیغمبر اسلام کی بدگوئی کرتے رہتے تھے، انہیں یہ بھی خدشہ دامن گیر رہتا تھا کہ ان کے نفاق و بدباطنی کی قلعی بذریعہ وحی نہ کھل جائے، اس کے باوجود ان کا تمسخر کا عمل جاری رہتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

○ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ط قُلْ اَبِاللّٰهِ وَآيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ○ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ط (۹ - توبہ - ۶۵ / ۶۶) - "اور اگر آپ اُن سے پوچھیں گے (کہ تم آپس میں کیا گفتگو کرتے تھے)، تو وہ کہیں گے کہ یہ تو بس ایسی ویسی ہی دل لگی کی بات چیت تھی۔ اُن سے کہئے کہ 'کیا تم اللہ اور اس کی نشانیوں (یعنی احکام) اور اس کے رسولؐ کے بارے میں تضحیک کررہے تھے؟ (اب) بہانے سازی نہ کرو، بے شک تم اپنے ایمان کے بعد کفر کے مرتکب ہوگئے' "۔

اہانتِ رسولؐ کی سزا - قتل

اوپر (۳۳ - احزاب - ۵۷ - ص ۱۲۰) ذکر ہو چکا کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسولؐ کے لئے کسی بھی طریقے سے باعث ایذا ہوتے ہیں، ان پر اللہ لعنت کرتا ہے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، اور آیاتِ ذیل میں یہ صریحاً فرمادیا گیا کہ جن لوگوں پر لعنت ہو گئی ان کی سزا قتل ہے، اور اولی الامر کا فرض ہے کہ وہ بذریعہ عدالت اس حد کو نافذ کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

- مَّلْعُوْنِيْنَ ج اَيْنَمَا ثُقِفُوْآ اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلاًo (۳۳ - احزاب - ۶۱) "(اور وہ) لعنتی ہیں، جہاں کہیں بھی مل جائیں، پکڑ لئے جائیں، اور قتل کردیئے جیسا کہ قتل کرنے کا حق ہے"۔ (ان کے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں)۔

- دوسری جگہ فرمایا: قُتِلَ الْخَرّٰصُوْنَ o الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ غَمْرَةٍ سَاهُوْنَo (۵۱ - ذاریات - ۱۰/۱۱) "قتل ہو جائیں وہ لوگ جو (ظن و تخمین سے اور بغیر دلیلِ قطعی) اٹکل پچو سے باتیں بناتے (اور لوگوں میں پھیلاتے) ہیں اور وہ غفلت (اور جہالت) میں بھولے پڑے ہیں"۔

اور یہ غفلت چونکہ (قرآن کی بار بار تنبیہ کے باوجود ہے، اس لئے) اختیاری اور منافقت پر مبنی ہے، اس لئے قابلِ درگزر نہیں، بہت سے "جدت" پسند، "آزاد خیال" اور بلا علم و تحقیق محض ظن و قیاس کی بنا پر رائے زنی کرنے اور شکوک و شبہات کی فضا کو پروان چڑھانے والے بھی اپنے دنیاوی علم کے علی الرغم، بدقسمتی سے اپنے آپ کو اسی زمرے میں شامل کر لیتے ہیں۔

- .... قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ج اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ o (۹ - توبہ - ۳۰) "(اور یہود کہتے ہیں کہ عزیرؑ اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ مسیح اللہ کے بیٹے ہیں) اللہ انہیں قتل (ہلاک) کرے"۔ (کہ اللہ کی تعلیمات سے بہرہ ور

ہونے کے باوجود) یہ کدھر بہکے جارہے ہیں"۔

سو واضح ہے کہ انبیاء و رُسلؑ کے بارے میں بے سروپا باتیں اور اتہام تراشی کی سزا اللہ کے نزدیک ہلاکت (قتل) ہے۔

○ وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْواً بِغَيْرِ عِلْمٍ ط (۶-انعام - ۱۰۸) "اور جن (بے جان بتوں یا جان دار ہستیوں) کو یہ (کفار و مشرکین)، اللہ کے سوا (بطور معبود یا حاجت روا) پکارتے رہتے ہیں، تم انہیں دشنام نہ دو، ورنہ یہ لوگ بے سوچے سمجھے (حد سے گزر کر تمہارے معبودِ برحق) اللہ (اور محترم شخصیتوں) پر دشنام طرازی (اور ان کی اہانت) کرنے لگیں گے"۔ اور یہ باعث اشتعال اور فساد ہوگا۔

انبیاء و رُسلؑ کی اہانت، اِس جرم کی سنگینی اور اس کی سزا کے جواز کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ جو خالقِ مہربان و ارحم الراحمین بذریعہ وحیِ قرآن کفار و مشرکین کے بتوں کی توہین سے منع فرماتا ہے، وہ اپنے نبیوں اور رسولوںؑ کی اہانت کیسے گوارا کرلے گا۔ اثبات ایمان، اثبات توحید و رسالت، تبلیغ و اشاعتِ دین، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور اِبطال کفر و شرک جو واجب و فرض ہے الگ بات ہے اور یہ کام دلیل و برہان، حُسنِ اخلاق اور حُسنِ عمل سے ہوتا ہے، لیکن دین میں اشتعال انگیزی انتہائی غلط رویہ ہے، اسی لئے باری تعالیٰ نے فرمایا: لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ (۱۰۹-کافرون - ۶) "تم کو تمہاری راہ، مجھ کو میری راہ ہے"، تمہیں تمہاری راہ و روش کا بدلہ ملے گا، اور مجھے میری راہ روش کا، اس لئے باہمی خصومت و معاندت اور اشتعال و انگیخت کی کوئی گنجائش نہیں۔

○ فَلَا وَ رَبِّكَ لَايُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجاً مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً ○ (۴ - نساء - ۶۵) " سو آپ کے پروردگار کی قسم ہے کہ یہ لوگ (مسلمان ہونے کے باوجود) ایمان دار نہ ہوں گے، جب تک یہ لوگ ہر

تنازع میں جو ان کے آپس کے درمیان ہو، آپؐ کو حَکم نہ بنالیں، اور پھر جو فیصلہ آپؐ کردیں اس سے اپنے دلوں میں تنگی نہ پائیں اور اس کو پوری طرح تسلیم کرلیں"۔

زمانۂ رسالت میں سزائے اہانت کا نفاذ

اگر ایسا نہیں ہوتا، تو جس نے فیصلہ کے بارے میں دل میں تنگی محسوس کی، یا اسے تسلیم نہ کیا تو گویا اس نے آپؐ میں عیب نکالا، آپ کے حکم کو توڑا، اس کا ایمان سلب ہوگیا، اور اس عیب جوئی اور آپؐ کو فیصل تسلیم نہ کرنے سے واجب القتل ہوگیا، جیسا کہ حضرت عمرؓ نے انہیں حالات میں ایک "مسلمان" کو قتل کرکے (ص ۵۹) فاروق لقب پایا۔

تکمیلِ حجت کے لئے عین مناسب ہوگا کہ اہانتِ رسولؐ کی سزا کے کچھ واقعات رسولِ کریمؐ کے اپنے دور بلکہ ان کے اپنے فیصلوں کے بارے میں بھی نقل کردیئے جائیں۔

- ایک "مسلمان" اور یہودی سردار کعب بن اشرف کے قتل کا تذکرہ (ص ۵۸) ہوچکا، جس سے ثابت ہوا کہ نفاذِ سزا میں "مسلم" اور غیر مسلم میں تفریق روا نہیں رکھی گئی۔

- ☆ حضرت علیؓ سے حدیث مروی ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا "مَنْ سَبَّ نَبِیاً فَاقْتُلُوْهُ وَ مَنْ سَبَّ اَصْحَابِی فَاضْرِبُوهُ یعنی جو شخص نبی کو گالی دے (بری زبان استعمال کرے) اُس کو قتل کرڈالو، اور جو میرے صحابی کو گالی دے، اُسے مارو۔

- ☆ آپؐ نے فتح مکہ کے دن ابنِ خطل اور اُس کی دو لونڈیوں کے قتل کا حکم دیا تھا وہ لونڈیاں گانے میں آنحضرتؐ کو گالیاں دیا کرتی تھیں (ہرزہ سرائی

☆ اس نشان کی سب احادیث و روایات اور ان کی اسناد کے لئے ملاحظہ کیجئے قاضی عیاض بن موسیٰ اندلسی کی عربی تصنیف "کتاب الشفاء" کا اردو ترجمہ (چوتھی قسم، باب اول فصل اول)۔

کرتی تھیں)۔

- ☆ عقبہ بن معیط نے قتل ہونے سے پہلے پکارا کہ اے گروہِ قریش! کیا بات ہے کہ میں تمہارے درمیان مقید ہو کر قتل کیا جاتا ہوں، تو نبیؐ نے فرمایا کہ تمہارے کفر اور رسولؐ پر افتراء کرنے سے۔

- ☆ عبدالرزاق نے ذکر کیا کہ رسولؐ کو ایک شخص نے گالی دی، تو آپؐ نے فرمایا کہ میری طرف سے کون اس کو کافی ہوگا، زبیرؓ نے عرض کیا کہ میں، پھر وہ اس سے لڑے اور زبیرؓ نے اُسے قتل کیا۔

- ☆ "کتاب الشفا" میں ایسے بہت سے دیگر واقعات کا تذکرہ بمع اسناد کے موجود ہے۔

مندرجہ بالا آیاتِ کریمہ سے یہ بذریعہ اتم ثابت ہوتا ہے کہ، رسولِ کریمؐ کو تنازعات میں فیصل تسلیم نہ کرنے والے، آپؐ کو ایذا پہنچانے والے، آپؐ کی ذات والا کے بارے میں بدگوئی، دشنام طرازی اور اعتراض و اتہام تراشی کرنے والے لعنت کے مستحق اور مستوجبِ قتل ہیں، اور اس رحمتہً للعالمینؐ کی رحمت اور ایک اسلامی مملکت کے آئین کا تقاضا ہے کہ ایسا حکم جو قرآنِ کریم کے عین مطابق ہے، اس مملکت کے تعزیری قانون میں شامل ہو، تاکہ ملزمین عوام الناس کے غیض و غضب کا نشانہ نہ بنیں اور عدالت میں انہیں اپنی بے گناہی ثابت کرنے کا موقع مل سکے۔

سزائے اہانت پر اجماعِ امت

برصغیر کی قریبی تاریخ میں، جیسا کہ راجپال اور نتھو رام وغیرہ کے معاملات اور ماضی قریب کے واقعات میں واضح ہوچکا ہے، امت مسلمہ کا اس سزا پر اِجماع تھا، اور ہے، آئینِ پاکستان میں قانونِ اہانت کا اہتمام، اس میں ترمیمات، اور وفاقی شرعی عدالت کا سزائے موت کو برقرار رکھ کر اس کے متبادل عمر قید کو ختم کردینا اسی اجماع کا تسلسل ہے جو صدیوں سے فقہاء و علماءِ ملت کے درمیان پایا جاتا ہے، اور جس کی بہت سی

مثالیں خود رسولِ کریمؐ کی زندگی میں اور آپؐ کے بعد صحابہ کرامؓ کے عہد اور پھر قرن بہ قرن ملتی ہیں۔

کوئی شخص اسلام کا دعویٰ تو کرے، اور نبیؐ کا اقرار بھی کرے، لیکن نبیؐ کی اطاعت کے بارے میں یا کسی اور حکم کے بارے میں قرآن کی آیاتِ صریحہ کی تاویلیں کرے، بالخصوص وہ آیات جو ایذا و اہانتِ رسولؐ سے متعلق ہیں، تو یہ بھی کفر کے درجے میں ہے، اور وہ اسی سزا کا مستوجب ہے، جس کا تذکرہ اوپر ہو چکا، اور یہی وجہ ہے کہ جماعتِ احمدیہ کو غیر مسلم قرار دیا گیا، کیونکہ وہ زبان سے تو حضور اکرمؐ کو خاتم النبیّین کہتے ہیں، لیکن عملاً تسلیم نہیں کرتے۔

اس اجماع کا ایک عظیم الشان مظاہرہ اس وقت ہوا جب ایران کے امام خمینی نے سلمان رشدی کے قتل کا فتویٰ صادر کیا، تو دنیا بھر کے عامتہ المسلمین نے اس کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ دنیا کے کسی مسلمان ملک، مکتبِ خیال، ماہرینِ قوانین یا علماء نے اس کی مخالفت نہیں کی، اور ایران نے تن تنہا بڑی جوانمردی سے عیسائی قوتوں کے بائیکاٹ اور ان کی تنقید کا مقابلہ کیا، گو کئی برس بعد ایرانی حکومت نے بربنائے سیاسی مصالح، یا ناقابلِ عمل ہونے کی بنا پر اس فتوے میں سرگرم دلچسپی ترک کر دی، لیکن نہ صرف کسی اور اسلامی ملک یا ماہرین قوانین کی جانب سے اس عدم دلچسپی کی تائید نہیں ہوئی، بلکہ عامتہ المسلمین کے دلوں میں وہ فتویٰ اب بھی زندہ و قائم ہے۔

اہانتِ رسولؐ کی سزا پر اجماع کے بارے میں فقہ و سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اور اس مسئلے پر اس قدر بھرپور انداز میں، ہر پہلو سے بحث ہوئی ہے کہ اس کے تذکرے کے لئے ایک مستقل دفتر درکار ہے، جس کے لئے اس مختصر تحریر میں نہ گنجائش ہے اور نہ اس کا موقع، وہ لوگ جو اس میں دلچسپی رکھتے ہیں، قاضی عیاض اندلسیؒ کی "کتاب الشفا" ○ کا جو ایک ہی جلد لیکن چار اقسام (حصوں) میں تقسیم ہے، یا اس کی

○ "کتاب الشفا" یعنی سیرت النبیؐ، قاضی عیاضؒ اندلسی (ولادت ۴۷۶ ہجری بمطابق ۱۰۸۳ء) کی عربی تصنیف کا اردو ترجمہ از مولوی حافظ احمد علی شاہ بٹالوی، ناشر "اللہ والے کی قومی دکان" مالک: ملک چنن دین تاجر کتب، کشمیری بازار، لاہور (طبع ثانی مارچ ۱۹۷۶ء)

صرف چوتھی قسم (حصے) کا مطالعہ فرمائیں، جہاں وہ مفصل بحث بمعہ جملہ اسناد سے مستفید ہو سکیں گے۔

اس موضوع پر ابن تیمیہؒ کی کتاب "الصارم المسلول علیٰ شاتم الرسول" بھی بہت مدلل اور جامع ہے۔

مسلمانوں کے تمام مکاتبِ فکر بشمول شیعہ حضرات کے، جن کی اذان اور دوسرے عقائد پر ایم۔ ایچ۔ کے صاحب نے تبصرہ فرمایا ہے، سب اہانتِ رسولؐ کے جرم میں قتل کی سزا پر متفق ہیں، اور جو لوگ فرقہ پرستی پر بجا طور پر متفکر و معترض ہیں انہیں کم از کم اس ایک امر میں تو اتحاد بین المسلمین پر مطمئن و مسرور ہو کر یکسو ہو جانا اور اسے تسلیم کر لینا چاہیئے۔

چونکہ ہمارے مخاطب ایم۔ ایچ۔ کے صاحب قرآن کی حقانیت کے قائل ہیں، اس لئے میں نے کوشش کی ہے کہ حتی المقدور اور توفیق اپنی گفتگو، سوائے رسول اکرمؐ کے دور کے چند حوالوں کے، صرف قرآن کے حوالوں تک محدود رکھوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ ہمارے مکتوب نگار اور ان کے دوسرے ہم خیال لوگ اگر واقعی حق و صداقت کے متلاشی ہیں، تو اس مباحثے سے ان کے شکوک و شبہات یا ذہنی خلجان کا بہت حد تک ازالہ ہو جائے گا بشرطیکہ وہ اغیار کے بظاہر خوشنما و بباطن زہر آلود، ذہنی دھلائی کے پراپیگنڈے اور پہلے سے "ڈھلے ڈھلائے" خیالات و "معیارات" سے نجات حاصل کر کے قلب و نظر کی کشادگی کے ساتھ دلائل و اسناد کا مطالعہ کریں، مقصد اصلاح ہو۔

اگر چند لوگ بھی اس سعیِ حقیر سے مستفید ہوگئے تو میں سمجھوں گا کہ میری کوشش بار آور ہوئی، اللہ اسے شرفِ قبولیت بخشے، وما علینا اِلّا البلاغ۔

……☆……

بہائی کمیونٹی

فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ آمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِاهْتَدَوْا ج وَاِنْ تَوَلَّوْا
فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ج (۲-بقرہ-۱۳۷)

پس اگر وہ ایمان لائیں، جیسا کہ تم ایمان لائے ہو، تو وہ یقیناً
راہِ راست پر ہوں گے، لیکن اگر وہ منحرف ہو جائیں، تو (یقیناً)
وہی ضد پر ہیں (اور دلیل سے انکاری ہیں)

حرفِ توجیہ

اسلام مخالف عناصر، جنہیں اسلام کی سربلندی اور عامۃ المسلمین کی دین فطرت سے وابستگی ایک آنکھ نہیں بھاتی، ہمہ دم مختلف حیلوں، بہانوں، پُرفریب نعروں اور خوشنما الفاظ کے گورکھ دھندوں میں ملفوف گشتی مراسلوں یا سیمناروں کے ذریعے نوجوان اذہان کو گمراہ کرنے کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں۔ انسانیت، محبت اور اتحاد، عورتوں کی "آزادی"، مردوں کے ساتھ مساوات، نعرہ بازوں کی افتادِ طبع کے مطابق "آزادیِ" اظہارِ رائے خواہ اس میں اکابر کی اہانت اور عقائد کی تضحیک کا پہلو ہی نکلتا ہو، چائلڈ لیبر، حقوقِ انسانی، غربت اور امارت کے خاتمے وغیرہ کے نام پر ان کے خوبصورت الفاظ و تراکیب کے مضمرات و اثرات، نوجوانوں، ناپختہ ذہنوں اور "جدت"، یا "وسعت نظری" کے شکار ان لوگوں کے لئے جن کا علمِ دین، چند رسوم و روایات یا سنی سنائی باتوں تک محدود ہو، زہر ہلاہل سے کم نہیں اور اگر اس کا سدِّ باب نہ کیا جائے تو ایمان و یقین کی بنیادیں متزلزل ہوتے دیر نہیں لگتی۔

یہ سب کچھ ایک نہایت منظم اور مستقل مہم کے طور پر جاری ہے، اکثر اوقات تو اصطلاحات و مطالب کی یکسانیت اور ہم آہنگی سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ ان کو بیرونِ ملک سے اسلام اور پاکستان مخالف تنظیموں اور ایسی سپر طاقتوں کی پشت پناہی حاصل ہے جو کمیونزم کے خاتمے کے بعد اسلام اور اس کے پیروکاروں کو اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ تصور کرتے ہیں۔

اس مذموم کاروبار میں اپنے اپنے "دین" کے نام سے اتحاد و محبت کی تبلیغ کرنے والی اور دیگر مختلف ناموں اور لیبلوں کے تحت کام کرنے والی تنظیمیں، این جی اوز اور

بااثر افراد (مرد اور عورتیں) سبھی ملوث ہیں۔ ایجنڈے، طریق کار اور تنظیم وغیرہ کی یکسانیت اسی جانب اشارہ کرتی ہے کہ ان کا مرکز خیال اور مرکزِ نظامت ایک ہے، جہاں سے انہیں نہ صرف رہنمائی ملتی رہتی ہے، بلکہ مالی امداد بھی فراوانی سے میسر ہے، اس موضوع پر ہم اپنے پیش لفظ میں اظہار خیال کرچکے ہیں، تاہم مکرر یہ کہنے میں حرج نہیں کہ مقتدر اور محبِ وطن لوگوں کو اس کا نوٹس لے کر اپنی اپنی استطاعت کے مطابق اس کے تدارک اور قلع قمع کے لئے کمر بستہ ہونا چاہیئے۔

ایسا ہی ایک مراسلہ کچھ عرصہ قبل راقم الحروف کو بہائی کمیونٹی کی طرف سے موصول ہوا جس پر پوسٹ بکس نمبروں کے علاوہ کسی فریسندہ کا نام یا کوئی جغرافیائی پتا درج نہ تھا۔ پہلے تو اس سرکلر کو روزانہ ڈاک میں آنے والے بیسیوں اشتہاری مراسلوں کی طرح نظر انداز کردیا گیا تاہم غور سے مطالعہ کرنے پر اس کے مضمرات کا اندازہ ہوا، تو اپنا دینی، قومی، معاشرتی اور علمی فریضہ سمجھتے ہوئے اس کا نقطہ وار جواب واجب سمجھا گیا۔

ذیل میں اسی مراسلے کی تمہید، ان میں اٹھائے ہوئے نقاط اور حتی الوسع ان کا تجزیہ اور جوابات نقل کئے جاتے ہیں، جو مراسلے کی صورت میں، دیئے ہوئے پوسٹ بکسوں پر ارسال کئے گئے، کتابی صورت میں مرتب کرتے وقت احباب کے ایماء پر، عام افادے کے لئے اِنہیں جوابی دلائل کو اور مفصل کردیا گیا ہے، تاہم اصل جوابات اپنی ابتدائی صورت میں اس تفصیل میں موجود ہیں۔

عام استفادے کے لئے علی محمد باب اور بہاء اللہ کے حالاتِ زندگی، سیاسی پس منظر اور ریشہ دوانیوں، دینِ بہائی کے ابتدائی محرکات اور اُسے ایجاد کرنے والی استعماری طاقتوں کے اغراض و مقاصد اور ان کی حمایت کے بارے میں بھی مختصر معلومات، مستند حوالوں کے ساتھ شاملِ اشاعت ہیں۔

ابوالامتیاز، ع۔ س۔ مسلم

علی محمد باب

علی محمد باب اکتوبر ۱۸۱۹ء میں شیراز میں پیدا ہوا، (۱) وہ علمی طور پر صرف درمیانی درجے تک پڑھا لکھا آدمی تھا۔ طالب علمی کے زمانے سے نفسیاتی لحاظ سے غیر متوازن اور جادوگری، چلہ کشی، جفر، رمل، جن، بھوت، رجالِ غیب اور حاضرات پر عجیب قسم کے اعتقادات رکھتا تھا، مثلاً آفتاب مسخر کرنے کے لئے ایران کی جنوبی بندرگاہ بوشہر کی تیز دھوپ اور سخت گرم دوپہر میں چھت پر گھنٹوں جادو ٹونے پڑھتا، عجیب و غریب حرکتیں کرتا رہتا، اور عاملوں کی طرح سادہ لوح عوام کو دعا، فال، رمل گنڈے اور تعویذ کے ذریعے اپنی طرف مائل کرتا۔ (۲)

جنوری ۱۸۳۴ء میں ایک روسی جاسوس "کینار ڈالگورکی" روسی سفارت خانے میں بظاہر مترجم کی حیثیت سے تعینات ہو کر تہران آیا، (۳) جہاں اس کا اصل مقصد اس کے اپنے الفاظ میں مسلمانوں کے درمیان اختلافات کو ہوا دے کر باہمی نفاق پیدا کرنا، ملتِ ایرانیہ کو کمزور کرنا اور ایک کے خلاف دوسرے کی امداد کر کے روسی اثر و نفوذ کو مستحکم کرنا تھا۔(۴) اس کا تجزیہ یہ تھا کہ ایرانیوں کا روس کے ساتھ متعدد جنگیں لڑ کر ایک بڑے لشکر کو شکست دے دینا اور دوسری کامیابیاں محض اتحادِ مذہبی اور وطن دوستی کی وجہ سے

علی محمد باب اور بہاء اللہ کے بارے میں مضامین کی تحریر و ترتیب میں جن کتابوں سے مدد لی گئی، ان کے حوالے آخر میں درج ہیں۔ "بہائیت کی کہانی" اس مذہب کے ناقدوں کی طرف سے شائع ہوئی ہے، جبکہ بقیہ دونوں کتب خود بہائیوں کی اپنی اشاعت ہیں۔ تاہم حقائق و واقعات پر کم و بیش اتفاق ہے۔ ہر چند کہ تطبیق و تعبیر اور تجزیے یا نتائج کے استخراج میں فطری طور پر جانبین کا اپنا اپنا نقطۂ نگاہ غالب ہے۔ مطالعہ میں خلل اور ہر فقرے کے بعد طویل حوالوں کے بجائے اختصار سے کام لیا گیا ہے۔ تینوں کتابیں مختصر اور ۶۰ سے ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔ ان سے براہِ راست استفادہ کیا جاسکتا ہے۔ (ع س م)

ممکن ہوئی ہیں، اس لئے وہ کیوں نہ ان کے درمیان نفاق پیدا کر کے ایک ایسا نیا دین ایجاد کرے جس کا کوئی وطن ہو نہ وطن دوستی۔ (۵) اپنے فرائض کی بجاآوری کے لئے تعلقات استوار کرنے نیز فارسی کی مزید تکمیل اور عربی کی تحصیل کے لئے اُس نے شیخ محمد اور ان کے استاد حکیم شیخ احمد گیلانی کا تلمذ اختیار کرلیا، (۶) اور خفیہ طور پر خود بھی مسلمان ہو کر بعد میں اپنا نام "شیخ عیسیٰ لنکرانی" (۷) رکھ لیا۔

یہیں اس کی ملاقات علی محمد سے ہوئی، جو بعد میں "باب" کے نام سے مشہور ہوا۔ (۸) "عارف مسلک، بے انتہا زیرک اور ہوش فہم کا مالک ہونے کے ساتھ ساتھ ابن الوقت، متلون اعتقاد کا مالک، ادعیہ، طلسمات، ریاضت اور جفر وغیرہ" پر عقیدے کے باعث، (۹) علی محمد، اسے اپنے مقاصد کے لئے نہایت کارآمد نظر آیا۔ دونوں حقہ کے شوقین تھے، لیکن "جمعرات کے دن شب ہائے جمعہ میں" علی محمد چلم میں تمباکو کے علاوہ ایک موم جیسی چیز بھی ڈالتا تھا۔ ایک دن "ڈالگورکی" نے بہ اصرار حقہ لیا۔ پہلے ہی کش پر "میرا منہ معدہ سارا خشک ہوا اور شدید پیاس لگی اور میں بے تحاشا ہنسنے لگا..... اُس رات میں صبح تک ہنستا رہا"۔ بعد میں استفسار پر علی محمد نے بتایا کہ حقہ میں شامل چیز "عرفاء کے نزدیک اسرار، عام لوگوں کی زبان میں چرس (تھی)--- اسے شاہدانہ کے پتوں سے بنایا جاتا ہے --- میں سمجھ گیا یہ بھنگ تھی --- سید (علی محمد) کا کہنا تھا کہ اس کے پینے کے وقت مجھ پر اسرار منکشف ہوتے ہیں"۔ (۱۰)

بہائی، سُرور کی اس کیفیت کو روحانی تصرف کا رنگ دیتے ہیں۔

۲۵ سال کی عمر میں علی محمد کربلا گیا جہاں استاد کاظم رشتی جو اس وقت مذہبِ شیعہ کے اوّل درجے کے عالم تھے اور شیخ حسن زنوزی اس کی ملاقات کے لئے آئے۔ "سید کاظم ہکا بکا کھڑے تھے، ان کا سر حضرت باب کے سامنے احترام سے جھکا ہوا تھا --- کمرہ پھولوں کے گلدستوں سے مہک رہا تھا --- (دونوں علماء) قالین کے فرش پر بیٹھ گئے، لیکن وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ کیا کررہے ہیں۔ احساسِ مسرت اس قدر غالب تھا کہ اس نے دونوں کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا ---" (۱۱)

"کمرے کے عین وسط میں ایک چاندی کا پیالہ رکھا ہوا تھا، اسلام کے حکم کے مطابق --- چاندی کے ظروف کا استعمال ممنوع ہے"۔ (اس کے باوجود دریدہ دہنی دیکھئے کہ) "حضرت باب نے بھرا ہوا ساغر سید کاظم کو قرآن پاک کی یہ آیت پڑھتے ہوئے پیش کیا "اور اُن کو اُن کا رب پاکیزہ پانی پلائے گا"۔ سید کاظم نے بلا کم و کاست یہ پیالہ پی لیا تو وہ" زبردست مسرت میں بھر گئے اور اسے چھپا نہیں سکتے تھے"۔ (۱۲)

"کیناز ڈالگورکی" نے علی محمد کو مفید مطلب پا کر بتدریج اس کے کان بھرنا شروع کئے کہ آپ بابِ علم ہیں، صاحب الزماں ہیں، صاحب الامر ہیں، امام عصر ہیں، مہدی ہیں، اور خود اس کا نائب بن بیٹھا۔ (۱۳) چنانچہ ایرانی عالم مجتبیٰ سلطانی کے مطابق علی محمد کا اپنا یقین اس پر پختہ ہو گیا۔ اس نے "شروع میں دعویٰ کیا کہ نائب امامِ زمانہ ہے، کچھ دنوں بعد امامِ زمانہ بن بیٹھا، پھر نبوت اور دینِ جدید لانے کا اعلان کر دیا، آخر میں تو یہ نوبت پہنچی کہ تحریر و تقریر میں خدائی کا دعویٰ کرنے سے بھی نہ رکتا تھا"۔ (۱۴) "مگر جو لوگ اس کی چرس اور شراب نوشی کی عادت سے واقف تھے، اس کا مذاق اُڑانے لگے"۔ (۱۵)

یہ اس بات سے بھی مترشح ہے کہ ۱۸۴۳ء میں بعمر ۲۴ سال باب نے خواب میں حضرت امام حسینؑ کا سرِ مبارک ایک درخت سے لٹکتے ہوئے دیکھا، جس سے خون کے قطرے "بہ افراط" ٹپک رہے تھے، باب نے خون کے چند قطرے پی لئے اور جاگا تو محسوس کیا کہ "روح خداوندی مجھ پر چھا گئی ہے --- میرا دل خدا کی حضوری کے باعث بلّیوں اچھل رہا تھا"۔ اس خواب اور خون نوشی سے اس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ "وہ دنیا کے لوگوں کو خدا کا زبردست پیغام پہنچائیں گے"۔ (۱۶) یعنی پیغمبر ہوں گے۔ انہیں دنوں اس کی بیوی خدیجہ بیگم، جس سے اس کی شادی ایک سال قبل اس طرح ہوئی تھی کہ اس نے "اپنے تئیں خدیجہ بیگم کو خواب میں دکھا دیا"، (۱۷) وضعِ حمل کے دوران جان کے خطرے سے دوچار ہوئی، باب کے "عمل" سے بچہ تو پیدا ہو گیا مگر جلد اللہ کو پیارا ہو گیا، باب نے بیوی سے تحریری تعزیت کی اور لکھا:

"اے محبوب ذکرِ اعظم کی مہربانی کی قدر کرو کہ وہ اللہ تعالیٰ کی

طرف سے آئے ہیں"۔ (۱۸)

گویا وہ خود "ذکرِ اعظم" ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا (نازل ہوا) ہے، لیکن باب کی والدہ نے جو پوتے کی وفات پر بہت غمزدہ تھی، بیٹے سے کہا:

"کہ اگر وہ خدیجہ بیگم کو موت سے بچاسکتے ہیں تو بیٹے کو کیوں نہ بچالیا۔ حضرت باب نے والدہ کو بتایا کہ ان کا ارادہ یہی تھا کہ ان کے بعد کوئی بچہ زندہ نہ رہے"۔ (۱۹)

گویا بیوی کو بچالینا اور بیٹے کو نہ بچانا باب کے اختیار میں تھا۔ یعنی ۲۴ سال کی عمر ہی میں امام حسینؓ کا خون پی کر پہلے تو پیغمبر بنے پھر خدا کی حضوری ہوئی "اور اس کی وحی کے اسرار اپنے تمام تر جلال کے ساتھ میری آنکھوں کے سامنے آشکار ہوگئے"۔ (۲۰) اور پھر خود خدا بن کر بیوی کو زندگی عطا کردی اور بیٹے کی زندگی مسترد کردی، اور ؎ خامہ انگشت بدنداں ہے اسے کیا کہیئے۔

ایک شب جب خدیجہ بیگم نے دیکھا کہ باب " بڑی سریلی آواز میں خدا سے دعاو مناجات کررہے تھے، --- وہ ڈر کے مارے تھر تھر کانپنے لگیں"۔ صبح کو باب نے کہا:

"یہ خدا کی مشیت تھی کہ خدیجہ بیگم آپ کو (یعنی باب کو) اس حالت میں دیکھیں تاکہ انہیں مکمل یقین ہوجائے کہ وہ خدا کے مظہرِ ظہور ہیں"۔ (۲۱)

یہ الفاظ سنتے ہی خدیجہ بیگم آپ پر "ایمان" لے آئیں، وہ حضرت باب کے سامنے "سربسجود" ہوگئیں۔ (۲۲) گویا باب نے اپنی "خدائی" کا اعتراف کروانا اپنے گھر سے شروع کیا۔

ایسا شخص استعماری طاقتوں کے لئے یقیناً بہت سودمند تھا، ہر دور میں ایسے لوگوں پر یقین کرلینے والے ضعیف الاعتقاد لوگ موجود ہوتے ہیں۔ روس اور برطانیہ ہر دو اُسے اپنے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کررہے تھے، جس وجہ سے اُسے اور اس کے حامیوں کو حکومت کے اندرونی حلقوں اور رازوں تک رسائی آسان تھی، اور مشوروں کے

ذریعے حکمرانوں کی آراء کو متاثر کر کے مفید مطلب فیصلے کرانا بھی ممکن تھا۔ یہ راز اور اُن کے فوائد ان غیر ملکی طاقتوں تک پہنچتے تھے۔(۲۳)

۱۸۴۶ - ۱۸۴۷ء میں باب اصفہان پہنچا، جہاں اُس نے روسی جاسوس کی سفارش سے (۲۴) اصفہان کے گورنر معتمد الدولہ منوچہر خاں کے ہاں جو اس کا "عقیدت مند" ہو گیا تھا، قیام کیا۔ اور اس کی میزبانی کا لطف اٹھاتا رہا(۲۵)، یہ وہی منوچہر خاں ہے جو خود بہائیوں کے مطابق بہت سخت، جابر اور ظالم شخص تھا۔ "ایک موقع پر ایک بغاوت کو کچلنے کے بعد اُس نے ستر قیدیوں کے جسموں کا مینار بنوایا تھا"۔ (۲۶) اس کے باوجود اس "پیغمبر" کو اس کی مہمانی میں کوئی عار محسوس نہ ہوئی۔

یہ سب کچھ سازشی عوامل کے بغیر نہیں ہو سکتا تھا۔ بالآخر باب گرفتار ہوا۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح اپنی نبوت سے انکار کر کے صرف "ولایت" پر اصرار کیا۔ لکھ کر توبہ کی اور شہنشاہِ ایران سے معافی اور رحم کا طلبگار ہوا۔---" اور میں حضرتِ شہنشاہی کے رحم و کرم پر تکیہ کئے ہوئے ہوں اور حضرتِ شہنشاہی اس دعاگو کو اپنے الطاف مہربانی سے سرفراز فرمائیں گے۔ آپ ایسے ہی ہیں" --- توبہ نامہ (۲۷) لیکن یہ معافی نامہ منظور نہ ہوا اور جولائی ۱۸۵۰ء میں بعمر ۳۱ سال اُسے پھانسی کی سزا ہوئی۔ "باب کو پھانسی کے پھندے پر لٹکا کر گولی چلائی گئی جو پھندے کی رسی میں لگی، پھندا ٹوٹ گیا اور باب فرار ہو کر ٹائلٹ میں چھپ گیا اور خوف سے توبہ و انابہ کرتے ہوئے "شیخ عیسیٰ لنکرانی" پر لعنتیں بھیجنے لگا"، تاہم کسی نے اس کی داد فریاد اور توبہ کی پرواہ نہ کی اور پھر سے پھانسی پر لٹکا کر گولیاں مار کر ختم کر دیا گیا۔ (۲۸)

باب اور اس کے دوسرے ساتھیوں کی لاشیں، جنہیں روسی جاسوس "شیخ عیسیٰ لنکرانی" نے شورش پر ابھارا تھا (۲۹)، گلی کوچوں میں گھسیٹ کر ایک خندق میں پھینک دی گئیں۔ (۳۰) دو دن بعد باب کی مسخ شدہ لاش کو اُٹھا کر ایک تابوت میں بند کر کے مختلف جگہوں میں پوشیدہ رکھا گیا، اور بالآخر ۵۹ سال بعد اُسے "عکا" میں بہاء اللہ کے بیٹے عبدالبہاء نے دفن کیا۔ (۳۱)

حسین علی بہاء اللہ

علی محمد باب کے پھانسی پانے کے بعد، مرزا یحییٰ نوری "صبح ازل" نے انگریزوں کے ایماء پر بابیوں کی قیادت سنبھالی، (۳۲) اسی زمانے میں تین (بابی) بادشاہ کو قتل کرنے کی سازش میں گرفتار و قتل کیے گئے، مرزا یحییٰ درویش حلیہ بنا کر بغداد کی طرف نکل گیا، (۳۳) یحییٰ کے سوتیلے بھائی مرزا حسین علی نے روسی سفارت خانے میں پناہ لی، مگر قید ہوا، (۳۴) اور بعد میں حکومتِ روس کے دباؤ کے تحت ہی آزاد ہوا۔ (۳۵) اب بابیوں کے لئے ایران کی سرزمین تنگ ہوگئی اور حسین علی کو سفیر روس کی سعی و سفارش (۳۶) سے روسی و ایرانی محافظین کے ساتھ سلطنت عثمانیہ کی عملداری میں بغداد پہنچا دیا گیا، (۳۷) دراصل یہ دونوں ہی بھائی برطانوی اور روسی گماشتے تھے، اور نقد انعام کے بدلے میں سرکردہ افراد کی مخبری کرتے تھے۔

یہاں تک کہ میرزا حسین علی اس سے قبل شاہِ ایران محمد شاہ اور روسی جاسوس "کیناز ڈالگورکی" عرف "شیخ عیسیٰ لنکرانی" کی باہمی سازش کے نتیجے میں، ایک تھیلی شاہی اشرفی کے عوض اپنے استادِ مکرم اور جلیل القدر عالم حکیم احمد گیلانی کو زہر دے کر ان کے قتل کا مرتکب ہوچکا تھا۔ (۳۸) اب حسین علی نے علی محمد باب کی جانشینی کا دعویٰ کردیا اور "مامور من اللہ" بن بیٹھا۔ یحییٰ اور حسین علی دونوں میں ٹھن گئی، اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ دونوں مخالف قوتوں کے آلۂ کار تھے۔ برطانوی ایجنٹ مرزا یحییٰ نوری اور روسی جاسوس حسین علی کی حمایت میں سرگرم تھے۔ بالآخر یحییٰ کے طرف دار بیرونی امداد منقطع ہو جانے کے بعد آہستہ آہستہ اس کا ساتھ چھوڑ گئے۔ اور ۱۸۵۲ء میں حسین علی تنہا بلا شرکتِ غیرے "بہاء اللہ" کا لقب اختیار کرکے نئے مذہب کا سربراہ بن بیٹھا۔

حسین علی کو بہاء اللہ کا لقب دے کر " من یظہرہ اللہ" قرار دینا اور مذہب کا نام "بابیت" سے تبدیل کر کے "بہائیت" رکھنا بھی روسی جاسوس "کیناز ڈالگورکی" عرف " شیخ عیسیٰ لنکرانی" ہی کا کارنامہ ہے۔ (۳۹) اس کی ایک وجہ غالبًا یہ تھی کہ باب ختم ہو چکا تھا، اس کا ماتم فضول تھا، اور بہاء اللہ عین زندہ و سلامت سامنے میسر تھا، جس سے جو کام چاہے لیا جاسکتا تھا۔ نام کی تبدیلی سے بہاء اللہ کی انانیت میں جو ہَوا بھری ہوگی، اس کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ لیکن اصل باعث یہ تھا کہ مرزا یحییٰ نوری انگریزوں کا منظور نظر تھا، جبکہ میرزا حسین علی ہر لحاظ سے روسیوں کے زیر اثر اور مالیاتی طور پر ان کا محتاج تھا۔ اور انہیں ایک ایسا ہی فرد چاہیئے تھا، جو مکمل طور پر ان کے اشاروں پر چلے۔ (۴۰) اور اس کشمکش میں روسی سازشیں بہ نسبت انگریزوں کے زیادہ کامیاب رہیں۔ لیکن بقول اُسی کے "مَیں اس مِن یظہرہ اللہ کی جہالت کا بیان کیسے کروں، جن الواح کو ہم تیار کرتے تھے وہ انہیں صحیح پڑھ بھی نہیں سکتا تھا"۔ (۴۱)

بہاء اللہ ایران میں ۱۸۱۷ء میں پیدا ہوا، وہ "باب" سے ۲ سال بڑا تھا۔ اس نے ۲۷ سال کی عمر یعنی ۱۸۴۴ء میں باب کی موت سے ۶ سال قبل ہی اپنے مشن کی داغ بیل ڈالی۔ (۴۲) تاکہ وہ باب کی جگہ لے کر یہ دعویٰ کر سکے کہ اصل تو وہ ہے نہ کہ باب۔ دروغ گورا حافظہ نباشد، ۱۸۴۴ء میں مشن کے آغاز کا بیان کرنے کے چند صفحے بعد بہائی سوانح نگار فرماتے ہیں کہ:

> " حضرت بہاء اللہ کے مشن کی ابتداء اگست ۱۸۵۲ء میں طہران کی ایک کال کوٹھڑی میں ہوئی"۔ (۴۳)

یعنی داغ بیل ۱۸۴۴ء میں پڑ جانے کے بھی ۸ سال بعد۔ چونکہ "باب" کا کانٹا ۲ سال قبل نکل چکا تھا، اور مرزا یحییٰ نوری "صبح ازل" بھی ناکام ہو چکا تھا، اس لئے قسمت آزمائی کا یہ بہترین موقع تھا۔ بہاء اللہ کو "اپنی ماموریت کا پہلی بار ادراک" کیسے ہوا:

> "ایک رات عالم رویاء میں ہر طرف سے یہ اعلیٰ کلمات سنائی دیئے۔
> بیشک، ہم تیری ذات اور تیرے قلم کے ذریعے تیری مدد کریں

گے۔ جو کچھ مصیبت تجھ پر آئی ہے اس سے غمگین نہ ہو اور خوف نہ کر۔ یقیناً تجھے امن ملے گا۔ عنقریب خدا زمین کے خزانے برپا کرے گا۔ یہ وہ لوگ ہیں جو تیری ذات اور تیرے اس نام کے ذریعے تیری مدد کریں گے جس سے خدا نے عارفوں کے دلوں کو زندہ کیا ہے"۔(۴۴)

حسین علی نے بھی باب ہی کی طرح آگے قدم بڑھائے۔ پہلے یہ کہا کہ علی محمد تمہید تھے، اور اصل وہ خود ہے۔ چھ سال قبل مشن کی داغ بیل ڈالنے کا یہ فائدہ ہوا کہ اب وہ یہ کہہ سکتا تھا کہ:

"باب ہماری آمد سے مطلع کرنے، ہمارے ظہور کی خبر دینے آئے تھے۔ وہ ہمارے مبشّر تھے، اب بابیت کا دور ختم ہوا، اور بہائیت کا آغاز ہے"(۴۵)

اس نے بھی حاملِ وحی ہونے اور پیغمبری کا دعویٰ کیا، " حضرت بہاء اللہ کا دعویٰ ہے کہ آپ نوعِ انسانی کے زمانہء بلوغ کے مظہر الٰہی ہیں (گویا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحیح معنوں میں نوعِ انسانی کے بلوغ پر مبعوث نہیں ہوئے تھے، دین میں کسر رہ گئی تھی، اور اب بہاء اللہ نے آکر وہ کسر پوری کی ہے۔ ع۔ س۔ م) اور ایسی وحی کے حامل ہیں جو سابقہ ادیان میں کئے گئے دعووں کو پورا کرتی ہے"۔ (۴۶) بہاء اللہ اپنے "ظہور" کے دن کو "یوم اللہ" کا نام دیتا ہے۔

"یہ وہ دن ہے جب نوعِ بشر، موعود کا مبارک چہرہ دیکھ سکتی ہے، اور اس کی آواز سن سکتی ہے۔ خدا کی ندا بلند کردی گئی ہے، اور اس کے چہرے کا نور انسانوں پر ظاہر کردیا گیا ہے۔(۴۷)

گویا بہاء اللہ کے چہرے کا "نور" اللہ کا نور ہے، اور وہ خود کو مظہر الٰہی یا اللہ کا اوتار قرار دیتا ہے۔

بہاء اللہ نے خدائی کا دعویٰ بھی کیا، لیکن "عکا" کی فضا سازگار نہ دیکھ کر خود کو

مسلمان بھی کہتا رہا، بیس سال سے زیادہ عرصے تک وہ فضا ہموار کرنے اور بابیوں میں اپنا اثر و اقتدار جمانے کی کوشش میں مصروف رہا، اس دوران "کیناز ڈالگورکی" کی سفارش سے، حکومتِ روس، بالخصوص اس کی حمایت کرتی اور ماہانہ وظیفہ دیتی رہی۔ (۴۸) جس کے جواب میں وہ حکومتِ روس کے بارے میں "لوحِ" مدح و دعا لکھتا رہا۔ (۴۹)

یہ امر باعثِ حیرت نہ ہونا چاہئے، کہ یہی حمایت مرزا غلام احمد قادیانی کو ایسے ہی مقاصد کے لئے حکومتِ برطانیہ سے حاصل تھی۔

حسین علی بہاء کی موت ۱۸۹۲ء میں بعمر ۷۵ سال ہوئی، جسے اس کے پیروکار "صعود" یعنی "رفع" کی اصطلاح سے بیان کرتے ہیں۔ (۵۰) یاد رہے کہ دونوں اصطلاحیں ہم معنیٰ ہیں اور "رفع" کی اصطلاح مسلمانوں میں حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے لئے مستعمل ہے۔ اس کے مرنے پر اس کا بیٹا مرزا عباس، یعنی عباس آفندی بہائیوں کا لیڈر بنا، اور اس نے عبدالبہاء کے نام سے شہرت پائی۔

روس میں اشتراکی انقلاب کے بعد مالی اعانت میں کمی ہوئی تو عبدالبہاء ازسرنو برطانیہ کے ساتھ تعلقات استوار کرنے اور حکومت عثمانیہ کے خلاف جس سے وہ قبل ازیں امداد حاصل کرتا رہا تھا، کام کرنے لگا۔ (۵۱) چنانچہ جنگِ عظیم اول میں عبدالبہاء کی رہبری میں بہائیوں نے فلسطین میں انگریزی فوج کے داخلے میں مدد کی، فلسطینی کمانڈر انچیف نے جاسوسی کے الزام میں عبدالبہاء کے قتل کا فیصلہ کیا، لیکن برطانوی انٹیلی جنس کی مداخلت پر لارڈ بالفور وزیرِ خارجہ برطانیہ نے جنرل ایلن بی کو بہائیوں کی حفاظت کا حکم دیا۔(۵۲)

جاسوسی خدمات کے صلے میں جنگ کے اختتام پر برطانیہ نے عبدالبہاء کو "نائٹ ہڈ" کا اعزازی میڈل اور "سر" کے خطاب سے نوازا، (یعنی اسلام کی بیخ کنی اور ملتِ اسلامیہ سے غداری کا صلہ دیا)، جس کے جواب میں عبدالبہاء نے حکومتِ برطانیہ کی خوشامد، وفاداری و مدح گستری میں، میرزا غلام احمد قادیانی کی طرح، ایک لوح جاری کی"۔(۵۳)

عبدالبہاء کی موت پر سرہربرٹ سموئیل برطانوی چیف کمشنر نے لندن کے خصوصی حکم پر اس کے جنازے میں بطور خاص شرکت کی۔ ہربرٹ سموئیل وہی شخص ہے جس نے اسرائیلی حکومت قائم کی۔ (۵۴)

عبدالبہاء کے بعد جنسی کج روی کا شکار (۵۵)، اس کا نواسہ شوقی آفندی وصیت کے مطابق بہائیوں کا رہنما بنا۔ حقیقت یہ ہے کہ "فری میسن" FREE MASON تنظیم نے بہائیت کا روپ دھار لیا ہے۔ شوقی آفندی کے کوئی اولادِ نرینہ نہ تھی، اس لئے نو افراد پر مشتمل ایک کونسل تشکیل دی گئی جسے "بیت العدلِ اعظم" (۵۶) کہا گیا۔ یہ کونسل اور ارکانِ شوریٰ دنیا بھر کے بہائیوں کے معاملات کے لئے اساسی ارکان تھے۔ شوقی آفندی کی وفات کے بعد اس کی وصیت کے مطابق "چارلس میس ریمی" کو صدر "بیت العدلِ اعظم" نامزد کیا گیا۔ چارلس امریکی سی۔ آئی۔ اے کا نمائندہ تھا۔ برطانیہ نواز گروپ نے بالخصوص اور بہائیوں نے بالعموم اس پر اعتراض کیا۔ آج کل بہائیوں میں دائیں اور بائیں بازو اور رنگا رنگ فرقے بھر چکے ہیں۔ تاہم یہ تنظیم بدستور سامراجیوں کی آلہء کار ہے۔ اور خونخوارانِ جہاں کے بین الاقوامی اقتدار کا خواب دیکھ رہی ہے، (۵۷) جو آئندہ صفحات کے سوالات و جوابات سے بھی بخوبی واضح ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بہائی، "بہائیت" کو ایک بالکل، نیا اور جداگانہ دین تصور کرتے ہیں، جس کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ برصغیر کے احمدی کم از کم اپنے طور سے اسلام، قرآن اور حضور رسالتمابؐ سے وابستگی کا اِظہار تو کرتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اِن کے اعتقادات کی وجہ سے سوادِ اعظم ان کو قبول کرنے کو تیار نہیں، لیکن ابتداء میں علی محمد باب کے اسلام کا دم بھرنے کے باوجود بہائیت عملاً اس تعلق سے منکر ہے۔

حیرت کی بات ہے کہ علی محمد باب، حسین علی بہاء اللہ، عبدالبہاء اور شوقی آفندی سب کے ایران نژاد ہونے کے باوجود اُن پر کسی فارسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا گیا، "سوانح علی محمد باب"، "میری پرکنز" کی تصنیف کا ترجمہ ہے، "بہائیت کی کہانی" ہم تک روسی جاسوس "کیناز ڈالگورکی" عرف "شیخ عیسیٰ لنکرانی" کی معرفت پہنچتی ہے۔ "حضرت بہاء اللہ" جو "بہائی پبلشنگ ٹرسٹ" کراچی سے شائع ہوئی، اس میں بہائی تنظیم کے آخری سربراہ شوقی آفندی کی صرف ایک کتاب کا حوالہ ہے اور وہ بھی انگریزی زبان میں یعنی "گاڈ پاسز بائی" (GOD PASSES BY) کا، یعنی، "خدا پاس سے گزر گیا"۔

باقی سب حوالے بریٹانیکا ائیر بک، آرنلڈ ٹائن بی، ڈبلیو ہچر، ڈی مارٹن اور مختلف انگریز، روسی، امریکی افراد یا مغربی مصنفین کی تحریروں سے ہیں۔ اگر یہ حوالے عوام الناس کو محض انگریزی ناموں سے متاثر کرنے کے لئے نہیں دیئے گئے تو یہ نتیجہ ناگزیر ہے کہ بہائیوں کی اپنی زبان فارسی میں ان کے بارے میں کوئی مستند لٹریچر موجود نہیں۔

اس مختصر مضمون میں جس کا اصل مقصد بنیادی معلومات بہم پہنچانا ہے، تفصیل کی گنجائش نہیں، صرف نمونہ مُشتے از خروارے جستہ جستہ حالات بیان کر دیئے گئے ہیں، تاکہ قارئین کو بہائیوں کو پس منظر کا کچھ اندازہ ہو سکے۔

چند اتفاقات

عجیب اتفاق ہے کہ ایران میں علی محمد باب، مرزا یحییٰ "صبح ازل" اور مرزا حسین علی بہاء اللہ اور برصغیر پاک و ہند میں مرزا غلام احمد قادیانی کم و بیش بیک وقت نبوت کے دعویٰ دار ہوئے۔

- ...... علی محمد باب : ولادت ۱۸۱۹ء - وفات ۱۸۵۰ء
- ...... مرزا یحییٰ "صبح ازل" : بابیت کی سربراہی ۱۸۵۰ء
- ...... مرزا حسین علی بہاء اللہ : ولادت ۱۸۱۷ء - وفات ۱۸۹۲ء
- ...... مرزا غلام احمد قادیانی : ولادت ۴۰-۱۸۳۹ء کے لگ بھگ - وفات ۱۹۰۸ء

- یہ بھی اتفاق ہے کہ سوائے علی محمد باب کے جو "سید" تھا، باقی سب مرزا ہیں۔
- علی محمد باب اور مرزا حسین علی بہاء اللہ کی سرپرستی اور مالی امداد زارِ روس اور بعد میں بہاء اللہ کے بیٹے عبدالبہاء کی سرپرستی روس کی اشتراکی حکومت نے کی، جبکہ مرزا یحییٰ صبحِ ازل، نیز اشتراکیوں کی طرف سے امداد میں کمی کے بعد عبدالبہاء کی سرپرستی ایران میں، اور مرزا غلام احمد قادیانی کی سرپرستی ہندوستان میں، حکومت برطانیہ کرتی رہی۔
- چاروں مدعیانِ نبوت اپنے اپنے ذوق اور ماحول کے مطابق اپنے آپ کو مظہر موعود،

من یظہرہ اللہ، مسیح موعود یا مثیل مسیح کہتے رہے، علی محمد باب نے نبوت کے دعوے سے دست بردار ہو کر توبہ نامہ داخل کیا اور صرف "ولایت" پر اصرار کیا۔ مرزا بہاء اللہ بھی کبھی گومگو کی کیفیت میں رہا اور کبھی وحی و نبوت کا دعویدار ہوا۔

- ہندوستان میں مرزا غلام احمد قادیانی نے بھی یہی وتیرہ اختیار کیا، کبھی اپنے آپ کو نبی کہا کبھی اس سے انکار کر کے صرف محدثیت یا ولایت پر اصرار کیا۔ ۱۹۰۱ء میں پوری طرح دعویٰ نبوت کر دیا، اور " بروزی اور ظلی نبی" کی اصطلاحات کے ذریعے لوگوں میں ذہنی انتشار پیدا کر کے اپنا الو سیدھا کرتا رہا، اس کا لازمی نتیجہ احمدیوں کی لاہوری اور قادیانی جماعتوں میں تقسیم ہے۔

اول الذکر اس کی نبوت کے بظاہر انکاری لیکن دوسری خاصیتوں کے قائل ہیں۔ جبکہ موخرالذکر لگی لپٹی رکھے بغیر مرزا غلام احمد کو نبی اور اسے نہ ماننے والوں کو کافر گردانتے ہیں۔

- ایک عجیب مشابہت ان سب مدعیان نبوت یا محدثیت و ولایت میں یہ ہے کہ سب اپنی اپنی سرپرست استعماری قوتوں کے تحریری طور پر مدح خواں رہے ہیں۔ یہ قوتیں ان کی سرپرستی، تحفظ اور حوصلہ افزائی کی ہر ممکن کوشش کرتی ہیں۔
- علی محمد باب اگر چرس یا شراب پیتا تھا، تو مرزا غلام احمد قادیانی کو بھی بیماری کے نام پر "رَم، برانڈی یا ٹانک وائن" حلال تھی۔ (۵۸)

ان اتفاقات کی ممکن ہے کوئی اہمیت نہ ہو، لیکن یہ اس لحاظ سے دلچسپ ضرور ہیں کہ ایک ہی دور میں، مختلف ممالک ہی میں سہی، غیر ملکی غلبے اور غیر یقینی سیاسی حالات میں ملتوں میں نفاق و انتشار پیدا کرنے اور انہیں مغلوب کرنے کے لئے ہر طرح کے ہتھکنڈے بشمول نئے ادیان کی ایجاد اور نئے " پیغمبروں کے ظہور" کے اختیار کئے جاسکتے ہیں۔ گویا غداری کا عمل صرف میر جعفر یا میر صادق جیسی سیاسی شخصیتوں کی ہی میراث نہیں رہ جاتا، ذہنی اور روحانی " پیشوا" بھی اس میں پیش پیش ہوتے ہیں۔

اللہ ملت اسلامیہ کو تمام فتنوں سے اپنی پناہ میں رکھے۔

" اتحاد کی روشنی اس قدر تیز ہے کہ تمام کائنات کو منور کر سکتی ہے"

(حضرت بہاء اللہ ۱۸۱۷ تا ۱۸۹۲)

" عزیز دوست!

عالمی امن کا قیام اس دور کا اہم ترین تقاضا ہے۔ دنیا اس مقام پر پہنچ چکی ہے کہ اس کے بیشتر مسائل کا حل سوائے عالمی امن کے اور کچھ نہیں۔ آج تمام ملکوں کی توانائی اور خزانے زیادہ تر جنگی تیاریوں اور اسلحہ کی دوڑ پر صرف ہورہے ہیں۔ دنیا میں بدحالی، بھوک، غربت اور قحط اسی کا نتیجہ ہے۔ اگر امن قائم ہو جائے تو تمام لوگ خوشحالی اور فارغ البالی حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی دین بہائی کی تمام تعلیمات کا حاصل ہے اور یہی اہل بہاء کی کوششوں کا منتہائے مقصد ہے۔

بہائی، دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں موجود ہیں۔ وہ حضرت باب اور حضرت بہاء اللہ کو اپنا ہادی اور راہنما تسلیم کرتے ہیں۔ ان دونوں ظہورات مقدسہ کا ظہور گزشتہ صدی میں ایران میں ہوا۔ بہائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ سنہری دور جس کا وعدہ تمام انبیاء و اصفیا نے صدیوں پہلے دیا تھا شروع ہو چکا ہے اور اس مبارک دور میں وہ وعدہ پورا ہو گا۔ حضرت بہاء اللہ نے فرمایا۔ "یہ بے ثمر جھگڑے اور یہ ہلاکت خیز جنگیں ختم ہو جائیں گی اور صلح اکبر (عالمی امن) قائم ہو جائے گی۔

انیسویں صدی کے تاریک دور میں حضرت بہاء اللہ نے ایک عالمی تہذیب و تمدن کے اصول ظاہر فرمائے جن پر عمل کرتے ہوئے عالم انسانیت عالمی امن کے حصول میں کامیاب ہوسکتا ہے۔ اس وقت جبکہ تمام اقوام ایک دوسرے کے قریب آگئی ہیں اور دنیا ایک چھوٹی سی بستی کی مانند ہوگئی ہے ان اصول و قوانین کی اشد ضرورت ہے"۔

(اس کے بعد ۱۲ نقاط یا سوال درج ہیں، تکرار کے خوف سے سوالات الگ درج نہیں کئے جارہے، تاہم ہمارے جوابات میں وہ سوالات بھی دہرادیئے گئے ہیں۔ ابوالامتیاز)

"بہائی دنیا کے تمام ممالک میں عالمی محبت و اتحاد کے اصولوں کو پھیلارہے ہیں۔ حضرت بہاء اللہ نے ان اعلیٰ و ارفع تعلیمات کی خاطر چالیس برس تک قید و بند اور جلا وطنی کی صعوبتیں برداشت کیں۔ دنیا کی کوئی طاقت عالمی امن کے قیام کو نہیں روک سکتی۔ یہ دنیا انشاء اللہ جنت ارضی میں تبدیل ہوجائے گی۔

آپ کے لئے نیک تمناؤں کے ساتھ"

"بہائی کمیونٹی پاکستان"

"مزید معلومات کے لئے پوسٹ بکس نمبر ۹۹۸ جی پی او لاہور یا پوسٹ بکس نمبر ۷۴۲۰ کراچی۔ ۳ پر رابطہ قائم کریں"۔

جواب مصنف

بہائی کمیونٹی کی خدمت میں

حضرات گرامی!

کچھ عرصہ قبل مجھے آپ کی جانب سے ایک گشتی مراسلہ ملا جس میں آپ نے اپنے عقیدے کی روشنی میں لوگوں کو امن عامہ اور اتحاد کی روشنی کی طرف آنے کی تلقین کی ہے۔ اس کی تمہید میں آپ نے فرمایا:

> "آج تمام ملکوں کی توانائی اور خزانے زیادہ تر جنگی تیاریوں اور اسلحہ کی دوڑ پر صرف ہو رہے ہیں، دنیا میں بدحالی، بھوک، غربت اور قحط اسی کا نتیجہ ہے۔ اگر امن قائم ہوجائے تو تمام لوگ خوشحالی اور فارغ البالی حاصل کر سکتے ہیں"۔

یہ کتنا صحیح، قابلِ قدر اور دل نشیں تجزیہ ہے، لیکن حیرت کی بات ہے کہ "جنگی تیاریوں اور اسلحہ کی دوڑ" پر جن اقوام کی اجارہ داری ہے، مثلاً امریکہ، برطانیہ، فرانس، جاپان اور بڑی حد تک روس وغیرہ، وہاں ہمیں "بدحالی، بھوک، غربت اور قحط" کی سی صورتِ حال نظر نہیں آتی، ہاں ان کے کشتگانِ نگاہِ ناز ضرور اس عذاب میں مبتلا رہتے ہیں، اور اگر ان کے ہاں ذرا سے امن و امان یا خوشحالی کا امکان نظر آئے، تو پھر کوئی نہ کوئی بحران پیدا کرکے واپس دھکیل دیئے جاتے ہیں۔ ویت نام، ایران، عراق، الجزائر، لیبیا، آذربائی جان، افغانستان تو واضح مثالیں ہیں، پاکستان جیسے نیازمند ممالک کی بھی خیر نہیں رہتی، اور وہ ایسے شکنجے میں کسے رہتے ہیں، کہ اپنی بقا اور صرف "روٹی کپڑے" کے لئے ان کے دستِ نگر رہنے پر مجبور کردیئے جاتے ہیں۔

میرے خیال میں آپ کی اس اپیل کا رخ اگر اُدھر ہوتا، جہاں "بدحالی، بھوک، قحط اور غربت نہیں ہوتے، تو اگر قابلِ التفات نہ بھی سمجھا جاتا تو کم از کم یہ گمان تو نہ ہوتا کہ جس "ایک عالمی زبان" اور (ایک) "رسم الخط" یا ایک "عالمی حکومت جس کے پاس اپنے فیصلوں پر عمل درآمد کے لئے طاقت بھی ہو" کی وکالت آپ نے کی ہے، وہ اُس "ایک" زبردست کی لاٹھی دنیا کی سب کمزور اقوام کے سر پر مسلط کرنے کی کوشش ہے، اور "کون معشوق ہے اس پردہء زنگاری میں"۔

اسی تمہید میں آپ کا دعویٰ ہے کہ "بہائی، دنیا کے تقریباً تمام ملکوں میں موجود ہیں، وہ حضرت باب اور حضرت بہاء اللہ کو اپنا ہادی و راہنما تسلیم کرتے ہیں"۔ آپ ان دونوں حضرات کو "ظہورات مقدسہ" قرار دیتے ہیں۔

آپ یقیناً اتفاق کریں گے کہ رسول اکرم محمد عربیؐ کے ایک ادنیٰ غلام علامہ اقبال کے معتقدین کی تعداد، دنیا بھر میں ان دونوں "ظہوراتِ مقدسہ" کو ماننے والوں سے کہیں زیادہ ہوگی۔ تمام ملتِ اسلامیہ اور اردو، فارسی، عربی و دیگر زبانوں کے علماء و سکالر ان کا بے حد احترام کرتے ہیں۔ علامہ آپ کے ممدوحین میں سے ایک، علی محمد باب☆ کے بارے میں فرماتے ہیں:

تھی خوب حضورِ علماء باب کی تقریر
بیچارہ غلط پڑھتا تھا اعرابِ سمٰوٰت
اس کی غلطی پر علماء تھے متبسّم
بولا تمہیں معلوم نہیں میرے مقامات
اب میری امامت کے تصدق میں ہیں آزاد
محبوس تھے اعراب میں قرآن کے آیات (ضربِ کلیم)

کیا ان "ظہوراتِ مقدسہ" کے ایک "حقیقت"، "اتحاد" اور "راستی" کی طرف

☆ علامہ اقبال اور بعض دیگر مصنفین نے محمد علی باب نام لکھا ہے، تاہم بہائی کتب میں اصل نام علی محمد باب آیا ہے، اور ہم نے اسی نام کو ترجیح دی ہے۔

بلانے کا یہی انداز ہے کہ قرآنی آیات کو اعراب سے "آزاد" کردیا جائے؟ تاکہ لوگ "ایک" متن پڑھنے، "ایک" معنی پر پہنچنے، اور "ایک" ہدایت کے حصول سے ہٹ کر اعراب کی بھول بھلیوں میں گم ہو جائیں؟

"وہ سنہری دور جس کا وعدہ تمام انبیاء و اصفیاء نے صدیوں پہلے دیا تھا، شروع ہو چکا ہے" یا نہیں، تاہم یہ سوال تو غیر متعلق نہیں کہ علی محمد باب اور بہاء اللہ کا تعلق اس سلسلۂ انبیاء سے کیا بنتا ہے، اور کیا یہ بات عجیب نہیں کہ آپ اپنے مراسلے میں ایک "ظہورِ مقدسہ" یعنی "حضرت باب" کا پورا نام لکھنے سے بھی گریزاں ہیں؟ جو ان کے والدین نے رکھا تھا، کیا اس لئے کہ اس میں محمدؐ اور علیؓ سے نسبت آتی ہے؟ اور "حضرت" باب اس نسبت سے مخل ہیں، یعنی انہوں نے اس "ایک ہی درخت" کا پتہ رہنا بھی گوارا نہیں کیا، جس کا نام "محمدؐ" یا جس کی شاخ "علیؓ" تھے، پھر وہ "اتحاد و محبت" کے کس "دین" کا سبق دیتے ہیں؟

آپ کو اپنے عقائد کے مطابق اپنی راہ متعین کرنے کا حق ہے لیکن جب آپ سیدھے سادے لوگوں کو "ایک حقیقت، "اتحاد" اور "راستی" کی طرف بلاتے ہیں تو اس تبلیغ کا بنیادی تقاضا خلوص، صاف گوئی اور اظہار صداقت ہونا چاہیئے۔ نہ کہ شیریں اور ذو معنی الفاظ کے پردے میں کج روی، گمراہی اور ذہنی خلفشار پیدا کرنے کی کوشش، کیا آپ کو اپنی تعلیمات دوہرا معیار سکھاتی ہیں؟ ہو سکتا ہے میرے الفاظ کا لگی لپٹی رکھے بغیر راست استعمال ناگوار گزرے، لیکن شاید آپ کے مراسلے کے مختلف نقاط پر گفتگو بات کو زیادہ واضح کر سکے۔

"ترکِ تقلید"

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

۱۔ آپ فرماتے ہیں "اگرتقلید کو ترک کرکے حقیقت کی آزادانہ تلاش و تحقیق کی جائے، تو سب لوگ متحد ہوجائیں گے، کیونکہ حقیقت ایک ہے"۔

یہ "آزادانہ تلاش و تحقیق" کی بھی خوب رہی، لیکن باب اور بہاء اللہ کی تقلید میں "ظہوراتِ مقدسہ" کا مژدہ، "صلحِ اکبر" کے قیام اور "ہلاکت خیز" جنگوں کے خاتمے کی خوشخبری دے کر محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائیوں کو یہ تلقین کرتے ہیں، کہ وہ نعوذ باللہ انؐ کی "تقلید" اور غلامی کو، جنہوں نے دلوں کے قفل کھول کر، اندھیروں میں روشنی کا چراغ روشن کیا، اور عقل و شعور کو جلا بخشی، چھوڑ کر جناب باب اور بہاء اللہ کی "تقلید" میں "آزادانہ تلاش و تحقیق" سے "حقیقت" کے جویا ہوں، گویا صراطِ مستقیم ترک کر کے بے اصولی اور لفاظی کے جنگل میں بھٹکنا شروع کردیں، کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ تقلید ترک کرنے کا جو مشورہ دوسروں کو دیتے ہیں، باب اور بہاء اللہ صاحب کے پیروکاروں کو تلقین کریں کہ وہ ان کی "تقلید" کی زنجیروں سے آزاد ہو کر اللہ کے آخری پیغام قرآن کی "آزادانہ تلاش و تحقیق" اور اس کے آخری پیغامبرؐ کے اسوۂ حسنہ کی مثال سے اپنی راہ متعین کریں۔

۲۔ "تمام انسان ایک ہی خاندان کے افراد ہیں، اور سبھی قابل احترام ہیں" تم ایک ہی درخت کے پھل اور ایک ہی شاخ کے پتے ہو"۔ (بہاء اللہ)

کتنی خوبصورت بات ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے اقوال سے زیادہ معتبر کس کا قول ہوگا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا سب انسان اُمّتِ واحدہ ہی تھے (۲ - بقرہ - ۲۱۳) اور رسول کریمؐ نے خطبۃ الوداع میں فرمایا "تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے"۔ یعنی نہ صرف آپس میں برابر ہو بلکہ مٹی سے پیدا ہونے کی وجہ سے کسی غرور و تکبر کی بھی گنجائش نہیں۔

حیرت اس بات پر ہے کہ باب، بہاء اللہ صاحب اور اس سے قبل حسن بن صباح

بھول گئے کہ وہ کس درخت کا پھل اور کس شاخ کے پتے تھے، بقول اقبال ؎

پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

لیکن آپ کے رہنماؤں نے اپنی پیوستگی ختم کر کے ایسی چوب خشک بننا پسند کیا، جو درخت سے کٹ کر بے ثمر اور بے سایہ ہو جاتی ہے اور اپنی پژمردہ اور سوکھی ٹہنیوں سے ہر گزرنے والے کی دستار پر ہاتھ ڈالتی ہے، بلکہ باب اور بہاء اللہ نے تو اسی درخت کی جڑ کاٹنے کی کوشش کی جس شاخ کے وہ پتے تھے۔ کاش وہ اور بہائی برادری اصل درخت، شجر طیبہ، دین اسلام اور پیروی رسول حق محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے پیوستگی اختیار کریں۔

"بے دینی بہتر ہے!"

۳۔ "دین کا مقصد اتحاد و محبت پیدا کرنا ہے۔ اگر دین نفرت و عداوت کا سبب بن جائے تو اس سے بے دینی بہتر ہے"۔

سبحان اللہ کتنے خوبصورت الفاظ ہیں اور کتنا حسین فریب اور کتنی "نیک" تلقین۔ جناب عالی! "دین"، اگر واقعی دین ہے تو اُس کے تو بنیادی مقاصد ہی یہ ہیں۔

الف۔ اللہ اور اس کے بندے کے رشتوں کو ان کی حقیقی بنیادوں پر استوار کرنا، یعنی حقوق اللہ کا شعور، اور ان کی بجا آوری، اور

ب۔ بندوں کے باہمی رشتوں (حقوق العباد) کا تعین اور ان کی پابندی

یہ دونوں قسم کے حقوق محکم بنیادوں پر قائم ہوں گے تو "اتحاد و محبت" بھی پیدا ہو گی، اس مقصد کے لئے خالق کائنات نے اپنے نبیوں اور رسولوںؑ کو جن میں سب سے آخری خاتم الانبیاء، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، مبعوث فرمایا، تاکہ لوگوں کو تاریخ، جغرافیے، نسل و قومیت، زبان، موسمی حالات اور دیگر نوع بنوع اختلافات کے

باوجود، ایک خدا، ایک رسولؐ اور ایک کتاب (توحید و رسالت) کی مضبوط لڑی میں پرو کر یک جان کر دیں۔ انؐ کے بتائے ہوئے اصولوں پر چل کر ہی مساوات انسانی، تکریم باہمی، محبت باہمی اور اتحاد باہمی پیدا ہو سکتا ہے، اسلام کی تاریخ اس اتحاد و محبت اور اخوت و مساوات کے عملی مظاہر سے بھرپور ہے، لیکن جہاں اس توازن میں ذرا سا بھی فرق آئے گا، فتنہ و فساد کے دروازے کھل جائیں گے۔ دین کسی سے نفرت و عداوت نہیں سکھاتا:

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بَیر رکھنا

وہ تو ایک آئین فطرت ہے، اور ہر آئین کی طرح اپنے ماننے والوں پر کچھ فرائض اور کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے اور اس طرح انہیں جعلی خداؤں، جھوٹے پیغمبروں، فرعونوں اور نظاموں سے "آزادی" بخشتا ہے۔ دین ہاتھ میں ڈنڈا لے کر کسی کو نفرت کی تلقین نہیں کرتا، یہ تو دین کا نام لینے والے کے کردار کی خامی یا اس کے ظرف کی کوتاہی ہے اور یا پھر آپ کی کرشمہ سازی کہ پیروکار کی کوتاہی کو دین کے سر منڈھ دیں۔

آپ تو اپنے نقطہ ۵ میں خود کہتے ہیں کہ "تمام دین خدا کی طرف سے ہیں اور سچے ہیں، ان کی بنیاد ایک ہے"۔ تو کیا خدا کی طرف سے آئے ہوئے سچے دین اپنے اندر "نفرت و عداوت" کے بیج رکھتے ہیں، یا یہ ان کے پیروکاروں کی کمزوری ہے؟

یہ استدلال بھی کہ "اس سے بے دینی بہتر ہے"، سطحی ذہنوں کو گمراہ کرنے کے مترادف ہے۔ کیا بے دینی اتحاد و محبت پیدا کرتی ہے؟ باب اور بہاء اللہ کیسے رہنمایانِ "دین" ہیں کہ وہ خدا کے دین کی تفہیم کے ذریعے لوگوں کا اخلاق سنوارنے اور ان کے دلوں میں عزم و ہمت کی حرارت اور "اتحاد و محبت" کی روشنی پیدا کرنے کے بجائے، "بانیٔ دین" ہونے کے باوجود جوہرِ انسانی سے مایوس ہیں اور انہیں "بے دینی" کی تلقین کرتے ہیں! یا کیا یہاں بھی آیاتِ قرآنی کو قیدِ اعراب سے آزاد کرانے کی طرح، دین کے نام پر دین سے آزاد کرانا مقصود ہے؟ باب اور بہاء اللہ کے مطابق بہائی دین کی

اساس کیا واقعی یہ ہے کہ بعض حالات میں بے دینی "خدا کے سچے دین" سے بہتر ہے؟

آپ اتفاق کریں گے کہ بے دینی، خدا کے دین اور دوسرے لفظوں میں خدا سے بغاوت ہے، قرآن، انجیل اور دوسری الہامی کتب نے ایک ازلی باغی اور اس کے پیروکاروں کی واضح نشان دہی کی ہے، جس کے شر سے ہر صاحبِ ایمان کو پناہ مانگنی چاہئیے۔

اگر آپ اپنے پہلے نقطے کے مطابق سنجیدگی اور نیک نیتی سے "تقلید کو ترک کر کے حقیقت کی آزادانہ تلاش و تحقیق" میں گامزن ہونا چاہتے ہیں تو میں بصد عجز و خلوص آپ کو اسلام کے مطالعے کی دعوت دیتا ہوں، تاکہ مطالعے کے بعد آپ ازخود کسی نتیجے پر پہنچ سکیں۔

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ قائداعظم محمد علی جناح کے دوران تقریر کسی نے ان پر اعتراض کیا کہ ہم تم کو ووٹ نہیں دیتے کیونکہ تم شیعہ ہو، آپ نے فرمایا بہت اچھا، تم گاندھی کو ووٹ دے دو، وہ سُنّی ہے۔ قائداعظم نے تو یہ بات جواب آں غزل کے طور پر کہی لیکن آپ تو عالمِ انسانیت میں محبت، اتحاد، امن اور بھائی چارہ قائم کرنے نکلے ہیں اور یہ کیسی تبلیغ ہے کہ آپ "تمام کائنات کو منور" کرتے کرتے بے دینی کی ظلمت پھیلانے لگے۔

دین عقل کے مطابق ہونا چاہئیے

۴۔ "عالم انسانیت کے لئے دین اور سائنس لازم و ملزوم ہیں۔
دین کو علم وعقل کے مطابق ہونا چاہئیے"۔

کیا یہی دین انسانیت کے لئے لازم ہے جس کو آپ اس سے پہلے بیان میں یہ کہہ کر رد کر آئے ہیں کہ "بے دینی بہتر ہے"۔ دین تو آپ کے نقطہ ۵ کے مطابق عطیہ خداوندی ہے، اور سچا ہے، اور اگر سچا ہے تو اس کی یہ سچائی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے قائم ہے، دین کا تعلق انسان کے قلب اور روح سے استوار ہوتا ہے، اس طرح دین تو دائم

الوجود ٹھہرا، اس کے برعکس میرے ناچیز علم کے مطابق سائنس وہ علم ہے جو انسان کے حواس خمسہ کے حصار میں آجائے۔ آنکھ اس کا مشاہدہ کرسکے یا لمس اسے محسوس کرسکے، وعلیٰ ہٰذالقیاس۔

سائنس کی تدوین انسان اپنی "خداداد" صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر کوشش و لغزش TRIAL AND ERROR کے مسلسل عمل سے گزر کر اپنے ہاتھوں سے کرتا ہے، یہ عمل مسلسل جاری ہے اور ارتقاء پذیر ہے، تو کیا آپ "خدا کی طرف سے" نازل کئے ہوئے "سچے دین" کو بھی تجرباتی اور قابلِ تبدل گردانتے ہیں اور اسے الہامی اور دائمی سمجھنے کے بجائے، روز بروز بدلتے ہوئے مشاہدے اور تجربے کی روشنی میں کوشش اور لغزش TRIAL AND ERROR کے اصول میں ڈھالنے یا دوسرے معنی میں تابع کرنے کے حامی ہیں، وہ کیسا خدا ہے جس کو آپ سائنس دانوں کے کنٹرول یا ان کی گرفت میں دینے کو تیار ہیں!

سائنس کی افادیت ایک تغیر پذیر اور ترقی پذیر علم کے طور پر مظاہر کائنات، عناصر کائنات اور اس کے اصولوں کو سمجھنے، ان کو استعمال میں لانے، اور ان کی روشنی میں عالمِ کائنات میں اپنا مقام متعین کرنے میں تو یقیناً بڑی کار آمد، بلکہ لازم ہے، لیکن دین کو سائنس کے تابع وہی کرسکتا ہے جس کے دین کی بنیاد انسان کے محدود علم، اس کی محدود عقل و بصیرت اور محض حواسِ خمسہ پر ہو۔ اور وہ اسی محدود عقل کو خدا اور اس کے دین سے برتر سمجھتا ہے۔

صحیح دین تو وہی ہے (جسے آپ کہتے ہیں کہ خدا کی طرف سے ہے) جو اُس ذات عُلا کی طرف سے نازل ہو اور اُس خالق کی معرفت بخشے، جس نے کائنات ایک نظم اور ایک توازن کے ساتھ پیدا کی اور ہمیں اپنے برگزیدہ رسولوںؑ کے ذریعے ان اصولوں کو سمجھنے کا شعور دیا جن پر یہ نظم اور توازن قائم ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ہمارا شعور محدود ہے اور ہم آج جس بات کو سائنس کی کسوٹی پر پرکھ کر صحیح تصور کرلیتے ہیں کل

وہی اصول ناقص ثابت ہو جاتا ہے، تو آپ دین کو ایسے ناقص علم اور اپنی محدود عقل کے تابع کیسے کر سکتے ہیں! اس لئے بہتر یہی ہے کہ جس کی عقل اس کے دین کا ساتھ نہیں دیتی، اس کو چاہیے کہ وہ صحیح دین کی "آزادانہ تلاش و تحقیق" کرے۔

۵۔ " تمام دین خدا کی طرف سے ہیں، اور سچے ہیں، ان کی بنیاد ایک ہے"۔

دین کا محدود انسانی عقل اور ناقص سائنس کی متابعت کے برعکس، خدا کی طرف سے ہونا تو آپ نے تسلیم کرلیا، لیکن "تمام دین" میں کیا وہ دین بھی خدا کی طرف سے شامل ہیں جو پتھروں کو خدا تسلیم کریں، اس کی حکومت میں دوسروں کو شریک کریں اور انسان کو اس کے رنگ، نسل اور معاشرتی مقام کے مطابق تا قیامت طبقات میں تقسیم کریں، یا خدا کو انسانوں کی طرح صاحب اولاد قرار دیں؟ کیا ان میں وہ "دین" بھی شامل ہیں، جن سے بے دینی بہتر ہے؟

آپ کا منشا یقیناً صلح و آشتی اور اتحاد و محبت کی تلقین ہے لیکن اس کوشش میں انصاف اور حقیقت سے صرفِ نظر منافقت نہیں تو کیا ہے؟

کیا حمیّتِ دین تعصّب ہے؟

۶۔ " تعصّبات، لڑائی جھگڑوں کی بنیاد ہیں۔ یہ معاشرتی بنیادوں کو تباہ کردیتے ہیں۔ تمام تعصّبات مثلاً قومی، وطنی، دینی، نسلی و سیاسی وغیرہ ترک کردینے چاہئیں"۔

جس وسعت بلکہ "فراخدلی" سے آپ نے لفظ "تعصّب" کا استعمال کیا ہے، اس سے تو یہی مترشح ہوتا ہے کہ مراد بے جا حمایت، ضد یا ہٹ دھرمی نہیں، بلکہ قومی تفاخر، محبتِ دین اور حُبِّ وطن جیسے پسندیدہ، قابلِ قدر، بلند و ارفع خیالات و جذبات بھی "تعصّب" ہیں، اس لئے قابلِ نفرین ہیں، اس لئے اپنے اصول، دین، قوم اور مفادِ وطن

کو عزیز مت رکھو، یہ تعصّب ہے، آج کا ابلیسی "عالمی نظام" قبول کرلو، اس کی مخالفت بنیاد پرستی اور تعصّب سمجھی جائے گی، اور لڑائی جھگڑوں کا باعث ہوگی، دین کی بنیادوں پر وطن کی تعمیر، وحیِ قرآن، انبیاء و رُسُل اور شعائرِ اسلام کی حرمت و ناموس کا تحفظ بھی رجعت پسندی، بنیاد پرستی، دقیانوسیت اور تعصّب ہے۔ اس سے لڑائی جھگڑا پیدا ہوگا۔ طاغوتی طاقتیں جو حکم چلائیں "چشم ما روشن دل ماشاد" کہہ کر قبول کرلو تاکہ "محبت، اتحاد اور امن" پیدا ہوسکے۔

آزادی سے قبل بھی ہندوستانی مسلمانوں پر تعصب کا الزام عام تھا، اگر غازی علم الدین شہیدؒ اور غازی عبدالقیوم شہیدؒ جیسے سر پھرے عشقِ رسولؐ کی بھٹی سے، جسے آپ تعصّب کہیں گے، شعلہ فروزاں بن کر نہ نکلتے تو آج قریئے قریئے میں راجپال اور نتھورام یا ان کے سلمان رشدی جیسے جانشین اہلِ ایمان کے جذبات و احساسات کی راکھ اُڑا رہے ہوتے، تقسیم سے قبل مسلمانوں میں ملّی حمیت اور مسلم قومیت کا اجتماعی شعور اگر اس قدر شدید نہ ہوتا تو مشرقی (اب بنگلہ دیش) اور مغربی پاکستان کے ۲۹ - ۳۰ کروڑ انسان آج آزادی کی نعمت سے محروم اور ہندو یا انگریز میں سے کسی ایک کے غلام ہوتے، اہلِ انڈونیشیا ولندیزیوں کی مخالفت میں (جس کو آپ تعصّب کہیں گے) اتنے ثابت قدم نہ ہوتے، تو اب تک ان کے پنجہء استبداد کے اسیر ہوتے۔

تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں، الجزائر، تیونس، جنوبی افریقہ، امریکی سیاہ فام، غرضیکہ نوع بشر کہیں بھی اس بنیادی جذبے کے بغیر آزادی، عزت اور وقار سے محروم رہتی، کیا افغان اپنے قومی تعصّب کے بغیر روس کی یلغار روک سکتے تھے؟ آج آپ اہلِ کشمیر کو کیا مشورہ دیں گے! کہ حمیتِ دین، اسلامی تشخص اور ملّی و تاریخی (عصبیت) میراث سے دست بردار ہوکر جدوجہد آزادی کو خیر باد کہہ دیں، تاکہ محبت، اتحاد اور امن قائم ہوسکے؟ آپ کے الفاظ بہت خوبصورت ہیں، لیکن ان میں وہ زہر پوشیدہ ہے، جو جذبہ ء عزتِ نفس، انسانی وقار، آزادیِ فکر و خیال، اپنی تاریخ و تمدن کی جڑوں سے پیوستگی، قومی افتخار اور اقامتِ دین کے لئے مہلک ہے، ہوسکتا ہے

اپ نے یہ الفاظ ان کے مفہوم کے صحیح ادراک کے بغیر، رواروی میں لکھ دیئے ہوں، لیکن جو لوگ امن و امان، صلح و آشتی اور اتحاد و محبت کا مشن لے کر اٹھیں، انہیں انسانی فطرت کے تقاضوں اور زمینی حقائق کا پورا عرفان ہونا چاہیئے۔

مساواتِ مرد و زن

۷۔ "مرد اور عورت کا درجہ برابر ہے، دونوں جنسوں کو مساوی حقوق ملنے چاہئیں"۔

یہ آج اکثر "جدیدیوں" کا نعرہ ہے جو لادین، سیکولر اور سطحی فہم رکھنے والوں کے درمیان قبولیت کی سند ہے، سب سے پہلے تو خاکم بدہن اللہ کی ذات سے شکوہ ہونا چاہیئے کہ اس نے مرد اور عورت کو "مساوی" کیوں نہیں پیدا کیا اور عالمِ آفرینش کی ہر صنف میں، خواہ نباتات ہو، یا حیوانات، یا عالم انسانیت، "زوج" یعنی جوڑے کی تفریق کیوں روا رکھی۔ اگر یہ صورت حال نہیں ہے، تو پھر ہر صنف کے اپنے اپنے حقوق ہیں، اور ان کا پورا پورا لحاظ ہونا چاہیئے، یہی عین دین اسلام ہے، اور یہ واحد دین ہے جس نے حقوق العباد پر اس قدر زور دیا ہے، اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے، وہ "حقوق اللہ" یعنی اپنے حقوق کی خلاف ورزی (مثلاً عبادات میں کوتاہی) کرنے والے کو تو بخش سکتا ہے لیکن کسی دوسرے عبد (بندے) کے حقوق یعنی "حقوق العباد" کی خلاف ورزی کو ہرگز نہ بخشے گا۔ تاآنکہ جس کے حقوق کی خلاف ورزی کی گئی ہے، وہ نہ مجرم کو بخش دے۔

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے، کہ اب سے کوئی چودہ سو سال پہلے عورت کی حیثیت ایک فروختنی جنس سے زیادہ نہ تھی، باپ کے بعد بیٹے وراثت میں اپنی ماؤں کو بیویاں بنالیتے تھے، لڑکیوں کو نو عمری ہی میں زندہ گاڑ دیا جاتا تھا، غرضیکہ خدا کی ان بندیوں کے کوئی حقوق نہ تھے، اس وقت باری تعالیٰ نے رحمت للعالمین ؐ کے ذریعے قرآنِ کریم میں اس مظلوم صنف کے حقوق کا واضح تعین کیا۔

- جاہلیت کی جملہ رسوم بند ہوئیں، عورت کو طلاق (خلع) کا حق عطا کر کے اسے مرد کے ممکنہ ظلم و زیادتی سے نجات دلائی۔ واضح رہے کہ جو "روشن خیال" مغربی اقوام آج عورت کے "مساوی حقوق" کا ڈھنڈورا پیٹ رہی ہیں، طلاق ان کے ہاں کل تک حرام تھی اور بیشتر معاشروں بالخصوص رومن کیتھولک فرقے میں تو آج بھی اگر بالکل حرام نہیں تو انتہائی محال ہے۔

- عورت بحیثیت فرد، محترم و مؤقر ہوئی، طلاق کے بعد یا بیوگی کی صورت میں اسے نکاحِ ثانی کی آزادی میسر ہوئی، جب کہ "مساوی حقوق" کے بہت سے علمبرداروں کے ہاں بیوگی کی سزا آج بھی دائمی ملامت اور معاشرے بلکہ ماں باپ کی طرف سے بھی مکمل استرداد اور انتہائی ذلت کی زندگی ہے، یا پھر وہ شوہر کے ساتھ آگ کی چتا میں جل مرے۔

- اسلام نے جائداد میں عورت کا حصہ مقرر کیا، اس کا اپنی جائداد اور آمدنی پر بلاشرکتِ غیرے حق ملکیت قائم ہوا، شوہر اس کے مال و جائداد میں سے بلا اجازت کچھ تصرف نہیں کر سکتا، جبکہ بیوی کو شوہر کے مال میں خرچ کا پورا اختیار ہے۔

- باپ یا شوہر کی وراثت میں عورت حق دار بنی۔

- تعلیم مرد کی طرح عورت پر بھی لازم کی گئی۔

- حالت امن ہو یا جنگ، عورت نے ہمیشہ مرد کے شانہ بشانہ شان دار خدمات انجام دیں۔

- خواتین کی عزت و تکریم کا خصوصی اہتمام ہوا، عورت نشانِ غیرت بنی، اُسے شمع محفل کی بجائے چراغِ خانہ کا مرتبہ ملا۔ عورت کے ننگ و ناموس اور غیر مردوں کے ساتھ عام اختلاط سے پیدا ہونے والے عیوب اور

پیچیدگیوں سے تحفظ کے لئے مناسب احکام و اصول مرحمت ہوئے۔

- عقدِ نکاح کی تاکید اور اس کی حرمت کو قانونی حیثیت ملی، تاکہ مرد اپنے عمل کا ذمہ دار ہو، اور بیوی کے نان و نفقہ کے ساتھ اولاد کی دیکھ بھال اور تعلیم و تربیت کا بار بھی اٹھائے، اپنے مال و متاع، جائداد اور وراثت میں حصہ دار ٹھہرائے، جو عقدِ نکاح کے بغیر ممکن نہیں۔

- زیادہ سے زیادہ کارگزاری اور بہترین نتائج کے لئے تقسیم کار کا اصول، کائنات اور حیات انسانی کے بھی ہر شعبے میں جاری و ساری ہے، فوج کارخانے نہیں چلاتی، اور مزدور قانون سازی نہیں کرتا، حرفت کار عدالت نہیں لگاتا اور قاضی ریل گاڑی نہیں چلاتا، اسی طرح مرد اور عورت کے درمیان بھی قدرت نے دونوں کی جسمانی ساخت، طبعی خواص اور دیگر عوامل کے مدنظر تقسیم کار کر چھوڑی ہے۔ اگر مرد کے ذمہ کسبِ معاش اور خاندان کی ضروریات و آسائش کا اہتمام ہے تو عورت کے ذمے تولید کی تکمیل، پرورش اور خانہ داری ہے، اس طرح معاشرے کا توازن قائم ہے، اس میں کیا قباحت یا عدم مساوات ہے؟ کیا مساوات کا مظاہرہ صرف باورچی خانے کے برتن دھونے اور سبزی کاٹنے سے ہو سکتا ہے۔

- زنا اور بغیر عقد نکاح ہر جنسی رشتہ سنگساری کی حد تک قابلِ تعزیر ہوا، تاکہ بے راہ روی، غیر ذمہ داری اور مرد و عورت کے باہمی استحصال کی روک تھام ہو سکے۔

- اس کے برعکس مغرب کے ترقی یافتہ اور "مساوات" کے اسیر معاشرے میں عورت آج بھی ایک جنسِ نشاط سے زیادہ نہیں، جو بغیر مستقل عائلی ذمہ داری کے استحصال کا سب سے بڑا شکار اور اکثر بلا قیمت دستیاب ہے، اور چونکہ اس پر کوئی تعزیر عائد نہیں ہوتی، اس لئے اسی کو آزادی

اور "مساوات" تصور کرلیا جاتا ہے، اس سے بڑی خود فریبی اور کیا ہوگی۔

اس کے باوجود اسلامی جمہوریہ پاکستان میں رہ کر "مساوی حقوق" کا ڈھنڈورا پیٹنے والوں کا مقصد تحفظ حقوق کے نام پر خوبصورت الفاظ اور تراکیب کے ذریعہ اسلام کو بدنام کرنا نہیں تو اور کیا ہے؟ گویا اسلام میں افراد بالخصوص خواتین کو کچھ حقوق حاصل نہیں۔ چنانچہ ان کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ ان کو "مساوی حقوق" کے نام پر اسلام پر اتہام تراشی اور توہین رسالت کی کھلی چھٹی دے دی جائے۔

تعلیم ہر مرد و عورت پر فرض ہے

٨ - "ہر لڑکے اور لڑکی کی تعلیم و تربیت لازمی اور جبری ہونی چاہئیے، کسی کو ان پڑھ نہیں رہنا چاہئیے"۔

فرمان رسولؐ ہے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے کہ وہ تعلیم حاصل کرے، خواہ اس کے لئے اسے چین ہی کیوں نہ جانا پڑے یعنی اس کے لئے کتنا ہی دور دراز کا سفر اور مشکلات کو عبور کیوں نہ کرنا پڑے۔

اس نقطے کو بطورِ خاص مراسلے میں شامل کرنے کا مقصد کیا یہ بتانا ہے کہ مسلمان یا ان کا معاشرہ تعلیم کے حق میں نہیں ہے، یا بالخصوص مستورات کی تعلیم کے خلاف ہے؟ اس میں کوئی شک نہیں کہ پاکستان میں تعلیم کی صورتِ حال ناگفتہ بہ ہے، لیکن اس کے نخچیر لڑکے اور لڑکیاں سبھی ہیں، اور اس میں جو عدم توازن ہے، یا خامیاں ہیں، وہ صاحبانِ اقتدار کی جہالت، ارادے کی کمزوری، خود غرضی، عدم یقینی اور مقاصد میں ابہام کی وجہ سے ہیں، دین کے اصول اور معاشرے کا رویہ اس میں روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔

دنیا بھر میں ایک زبان

۹۔ "زبان ، اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتی ہے، ایک عالمی زبان اور رسم الخط اختیار کیا جائے جسے دنیا کے تمام اسکولوں میں پڑھایا جائے۔ اس طرح یہ کرۂ ارض ایک وطن بن جائے گا"۔

نہ جانے مراسلے کے مرتبین نے یہ تجویز کیوں نہیں پیش کی کہ زبان و رسم الخط کے "اتحاد" کے ساتھ تمام کرۂ ارض کے رہنے والوں کا مذہب بھی ایک ہو جانا چاہیے، ویسے نوعِ بشر میں یکسانیت لانے کے لئے تبدیلیٔ مذہب کا خیال نیا نہیں، ایک دوسرے رنگ میں ۱۸۵۵ء میں ایک پادری ایڈمنڈ نے کلکتہ سے، جو اُس وقت ہندوستان میں برطانوی حکومت کا دارالسلطنت تھا، ایک طویل گشتی مراسلہ ہندوستان کے تعلیم یافتہ افراد، خصوصاً سرکاری ملازمین کے نام بھیجا، جس کا مضمون یہ تھا کہ "چونکہ ہندوستان میں "ایک" حکومت آگئی ہے، تارِ برقی سے ہر جگہ کی خبر "ایک" ہو گئی ہے، ریلوے اور سڑک سے سب جگہ کی آمد و رفت "یکساں" ہو گئی، لہٰذا مذہب "ایک" ہونا چاہیے اور سب لوگوں کو عیسائی ہو جانا چاہیے"۔ ○

اب آپ نے تمام کرۂ ارض کے انسانوں میں برابری پیدا کرنے کا جو لائحۂ عمل پیش کیا ہے، اس کے تحت تو سب انسانوں کا رنگ بھی ایک جیسا ہونا چاہیے۔ قدرت، خاکم بدہن، بہت بے انصاف ہے! اُسے لوگوں میں قد و قامت اور ذہنی و جسمانی قوت و استعداد بھی یکساں تقسیم کرنی چاہیے تھی، تمام کرۂ ارض میں دن رات ایک جیسے ہوں، سورج ہر جگہ ایک ہی وقت میں طلوع ہو اور ایک ہی وقت میں غروب ہو۔ زمین کے ہر حصے پر یکساں موسم ہوں، پانی بھی یکساں فراہم ہو، تاکہ یکساں فصلیں اور پھل پھول

○ "سقوطِ بغداد سے سقوطِ ڈھاکہ تک"، قسط ۱۳، میاں محمد افضل، ماہ نامہ سیارہ ڈائجسٹ، جولائی ۱۹۹۹ء، جس میں انہوں نے اس صورت حال کے مختلف حوالے بمع سر سید کی کتاب "اسبابِ بغاوت ہند"، مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "۱۸۵۸ء" اور دیگر کتب سے دیئے ہیں۔

پیدا ہو سکیں۔ نہ معلوم آپ کی زبان پر صحیح بات کیوں نہ آئی کہ سب انسانیت کا خدا، رسولؐ، کتاب اور ہدایت بھی ایک ہو، تاکہ ایک سر چشمہ سے سیراب ہونے والے قول و فعل میں بھی باہم یک رنگ ہوں۔

اس کرۂ ارض پر سینکڑوں ممالک ہیں، بولیوں اور لب و لہجہ کے فرق سے قطع نظر، زبانیں تو بے شمار بولی جاتی ہیں، جن کی تاریخ کا سلسلہ سینکڑوں بلکہ ہزاروں برس پر محیط ہے، کیا ایک زبان اور ایک رسم الخط نافذ کر کے آپ لوگوں کو ان کی ہزارہا سالہ تہذیبی اور تمدنی میراث، بلکہ خزانے سے محروم کر دینا چاہتے ہیں؟ جب کہ کائنات کی بوقلمونی اور رنگا رنگی کی طرح عالمِ انسانیت میں زبانوں اور رنگوں کا اختلاف نہ صرف باعثِ حسنِ کائنات ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں شامل ہے:

> وَمِنْ آيٰتِهٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلِمِيْنَ ۝ (۳۰ - روم - ۲۲) "
> اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کی تخلیق ہے، اور تمہاری زبانوں اور (تمہارے) رنگوں کا جداگانہ ہونا ہے، بے شک اس میں (بھی) صاحبِ علم لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں"۔

اسی اختلافِ رنگ و زبان سے تمدن زندہ ہے، اور اس کا تنوع قائم ہے۔ یہ اختلاف طبع نہ تو اس لئے ہے کہ اس کی بنیاد پر ایک دوسرے پر ظلم روا رکھا جائے، نہ اس لئے کہ ایک قوم دوسری قوم کو حقیر و ذلیل سمجھنے لگے، اور نہ ہی اس سے ایک قوم کی دوسری قوم پر فوقیت کا جواز نکلتا ہے، بلکہ یہ اس چمنستان کا منظر نامہ ہے، جس میں نوع بنوع اقسام کے پھول، پتے، شجر ان کے مختلف اشکال و رنگ اور خوشبوئیں ایک حسن پیدا کرتی ہیں، اور اُسے جنگل سے گلستان میں تبدیل کر دیتی ہیں۔

راقم الحروف کو کچھ عرصہ قبل ترکی جانے کا اتفاق ہوا، انہوں نے زبان نہیں صرف رسم الخط بدلا ہے، صرف اسی نصف کوشش سے ان کے کم و بیش ڈیڑھ ہزار

سالہ علم و فضل، تحقیق و تدقیق اور تفسیر و تدوین کے ورثے کا جنازہ نکل گیا، اور ان کی حیثیت اس پودے کی سی ہوگئی جسے سیراب و زرخیز مٹی سے اکھاڑ کر صحرائی ریت میں گاڑ دیا گیا ہو، اور وہ برگ و ثمر سے بانجھ ہوگیا ہو، یا بقول بہاء اللہ اس پتے کی سی، جو اپنی شاخ سے جھڑ گیا ہو، اُن کے پڑھے لکھے لوگ بھی نہیں جانتے کہ ان کے سامنے جو کتبہ فارسی رسم الخط میں جو ترکی کی علمی زبان تھی، آویزاں ہے، اس گنج گراں مایہ میں علم و فضل کے کیا اسرار و رموز پنہاں ہیں، اس کی پس پشت تاریخ کی کیا جدوجہد ہے، اور یہ صرف ایک کتبے تک محدود نہیں رسم الخط سے اجنبیت نے انہیں اپنے سب آثار سے بے بہرہ اور تہی دست کر دیا، زیادہ لکھنے کا موقع نہیں ۔

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا

۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے ایک دن بیک جنبش قلم، صدیوں سے رائج فارسی پر پابندی لگادی کہ کل سے صرف انگریزی سرکاری زبان ہوگی، اس ایک لمحے میں ہزاروں اردو، فارسی اور عربی کے علماء، قاضی، امرائے مملکت، اساتذہ اور طلباء اَن پڑھ ہوگئے، مسلمان اس دھکے سے ڈیڑھ سو برس بعد آج تک نہیں سنبھل سکے۔

کرۂ ارض تو درکنار، ہم نے کوشش کی تھی کہ مشرقی اور مغربی پاکستان میں، بنگلہ بھاشا کو برقرار رکھتے ہوئے، اردو سرکاری زبان بن سکے، اس کوشش میں ہم دو پارہ ہوگئے، اور جس اژدہے کو متحدہ پاکستان نگلنا محال تھا، اب دونوں کو الگ الگ تر نوالہ سمجھتا ہے۔

صانع قدرت نے بنی نوع انسانی کی جو تقسیم رنگ و نسل یا زبان کے لحاظ سے کی ہے، آپ کے خیال میں یہ اُس کی "غلطی" ہے جو اُسے "درست" کرنے نکلے ہیں، اور پھر بھی اُسے دین اور ہدایت کا منبع تسلیم کرتے ہیں، اُس نے تو یہ تقسیم اپنی مصلحت سے باہمی شناخت اور پہچان کے لئے کی ہے، ورنہ لوگوں میں بہتر تو وہی ہے جو تقویٰ اور اخلاق میں بہتر ہے، ہاں اسے ذریعۂ فساد نہیں بننا چاہیئے، اور فساد تو ایک ہی قوم،

ایک ہی زبان، ایک ہی رنگ و نسل اور ایک ہی رسم الخط والے لوگوں میں بھی بہت ہوتا ہے، اس کا علاج صرف توحید و رسالت کے ایک مرکز سے وابستگی اور وفاداری ہے، جس سے اخوت و مساوات اور حسنِ اخلاق کی آبیاری ہوتی ہے۔

تاہم آپ کے ذہن میں وہ کون سی زبان اور رسم الخط ہے جو آپ دنیا میں رائج کرنا چاہتے ہیں،اور جسے دنیا کے سب لوگ بلا جبر و اِکراہ قبول کرلیں گے! یہ امریکیوں اور انگریزوں کی زبان "انگریزی" ہی ہوسکتی ہے، آپ یہ زبان چین کے وسیع و عریض ملک، یورال اور سائبیریا کے پہاڑی قصبوں، پنجاب کے میدانوں، سندھ کے تھل، افریقہ کے نخلستانوں اور اسی طرح کرۂ ارضی کی نزدیک و دور افتادہ آبادیوں میں نافذ کریں گے؟ اس میں کتنی صدیاں درکار ہوں گی؟ وہاں کب تک اور کتنے شیکسپیئر، ملٹن یا ٹوئن بی پیدا ہوسکیں گے، کتنی نسلوں کے ذہنوں کا خون ہوگا! کتنی زندہ و متحرک تہذیبوں کے آثار پومپی آئی کی طرح اپنے ہی ملبے میں دب کر رہ جائیں گے، آپ کی ممدوح روشن خیال دنیا تو مدفون تہذیبوں کو تہِ زمین سے برآمد کرکے ان کی تفہیم میں مصروفِ عمل ہے،اور آپ زندہ و متحرک تہذیبوں کو دفن کرنے کے درپے ہیں۔

اس پورے عمل میں کرۂ ارض پر کس کا اقتدار اور کس کی عمل داری ہوگی! کیا اُسی امریکہ کی؟ جس نے دنیا میں سب سے پہلے، اور تاحال آخری ایٹم بم استعمال کیا! جس نے ویت نام جیسی کمزور قوم کو نیپام، زہریلی گیس اور آتش گیر بموں سے جلا کر خاکستر کردیا اور ہزاروں مربع میل جنگل راکھ کا ڈھیر کردیئے، جس نے ایران کو تہس نہس کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، جو بغیر حالتِ جنگ کے روزانہ عراقی شہروں اور دیہاتوں کو نشانہ بناکر شرم سے ڈوب مرنے کے بجائے شیخیاں بگھارتا ہے، جب اتنی بڑی طاقت کے ذہن پر ایک لاغر اور منحنی سے اسامہ بن لادن کا بھوت اتنی شدت سے سوار ہے، کہ اسے ہر جگہ اسی کا سایہ نظر آتا ہے، اور جو اس کے تعاقب میں افغانستان تا سوڈان بمعہ پاکستان راکٹ برساتا پھرتا ہے، جو اپنا خانہ ساز "ایک عالمی نظام" نافذ کرنے کے لئے اور دنیا بھر کو اپنا تابعِ مہمل رکھنے کے لئے ہر جھوٹ، دغا، فریب،

دھونس، دھاندلی، دھمکی اور ڈھول دھپے سے کام لینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا؟

آپ جانتے ہیں کہ یہ تمام ممالک امریکہ سے سینکڑوں میل دور ہیں، ان میں سے کوئی بھی اس کا اہل نہیں کہ امریکہ کی آزادی کے لئے خطرہ بننے کا متحمل ہو سکے، لیکن یہاں معیار عدل و مساوات نہیں، وحشیانہ طاقت ہے، یہ صورتحال اس روایتی بھیڑیے کی سی ہے جسے دریا کے بہاؤ کے نیچے پانی پیتی ہوئی بھیڑ بھی ناگوار گزری تھی، اور وہ اسے چیر پھاڑ کر کھا گیا تھا۔

آپ دنیا بھر کو اسی امریکہ اور اس کے حواریوں کے حوالے کر کے خیر کی توقع رکھتے ہیں! کہ ایک زبان اور رسم الخط کی ترویج کے ذریعے دنیا بھر میں "اتحاد و اتفاق" پیدا کرے گا۔

میرؔ کیا سادہ ہیں، بیمار ہوئے جس کے سبب
اُسی عطار کے لونڈے سے دوا لیتے ہیں

اس بارے میں اور کیا عرض کیا جائے، ہم جیسے حقیر اور بے زبان لوگ صرف یہی دعا کر سکتے ہیں، کہ جو خدا سچا دین دیتا ہے، وہ آپ کو ہدایت کی روشنی بھی بخشے تاکہ آپ لوگوں کی آزادی، عزت نفس، تاریخی ورثے اور تہذیب و تمدن کو فروخت کرنے کے درپے نہ ہوں۔ اور جس طرح ایک باغ کے حسن کا راز اس کے ہزاروں اقسام و رنگ کے پھولوں، درختوں، پودوں، پتوں، اور کلیوں میں پنہاں ہوتا ہے اور جس طرح مختلف رنگوں کی شوخیوں سے ایک قوسِ قزح فلک کو زینت بخشتی ہے، اسی طرح اللہ کی زمین اور اس کے بندوں کے تنوع کا بھی اپنا ایک حسن ہے، جو زینتِ کائنات ہے، اور جو اس صانعِ قدرت نے اپنی تکوینی مصلحتوں کی بنا پر اس تنوع کو بخشا ہے۔ آپ کیوں ایک ملک کی اجارہ داری کے لئے اس حسنِ فطرت کی مسخ کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

زبان و رسم الخط کی یگانگت میں اتحاد تلاش کرنے والے اگر ناقابل عمل، غیر سائنسی اور غیر عقلی دنیا میں نہیں رہتے، اور مغربی استعمار کو اپنے قلب و ضمیر فروخت

نہیں کر چکے، تو سستی شہرت کے طالب اور نوجوان ذہنوں میں خلفشار پیدا کرنے کی کوشش میں ضرور ملوث ہیں تاکہ ان کے دلوں میں اپنی قومیت اور تہذیب کی جڑیں کمزور ہوں اور ان کی اقدار کی بیخ کنی کی جاسکے۔

ایک عالمی حکومت

۱۰۔ " تمام قوموں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل عالمی حکومت قائم کی جائے جو ایسی عدالت بھی قائم کرے جس میں ممالك کے باہمی تنازعات کا تصفیه ہو اور جس کے پاس اپنے فیصلوں پر عمل درآمد کے لئے طاقت بھی ہو"۔

خیال بہت عمدہ ہے۔ لیکن یہ آپ کے نقطہ ۹ ہی کا بہروپ ہے، تاہم کیا اس وقت اقوام متحدہ کی کم و بیش ایک حکومت قائم نہیں؟ اور کیا اس کو زمانے کی سپر طاقتیں بلکہ واحد سپر طاقت ڈنڈے کے زور سے آگے لگائے ہوئے نہیں؟ کیا آپ انہیں سے توقع کرتے ہیں کہ وہ ایک زبان (یعنی اپنی زبان) نافذ کریں؟ اس خیالی واحد "عالمی حکومت" کو مضبوط کریں؟ اور تنازعات کے من مانے فیصلے اپنی یک طرفہ طاقت سے نافذ کریں اور اگر ایسا نہیں ہے، تو کیا طاقت کا توازن بہائی کمیونٹی درست کرے گی؟ اور کیا اس وقت جس کی لاٹھی اس کی بھینس نہیں؟ اور جس کے ہاتھ میں لاٹھی ہے اسے چھیننے کی کس میں ہمت ہے؟ تاکہ لاٹھی کے بجائے "مساوات" کی بنیاد پر عدل قائم ہوسکے اور تنازعات کا منصفانہ فیصلہ ہو، یا مقصد یہ ہے، کہ اقوام متحدہ نہ صرف پہلے کی طرح زور آور طاقتوں کی لونڈی بنی رہے بلکہ اُن کے ہاتھ میں مزید قوت نفاذ دے کر چھوٹی اور کمزور اقوام کی آزادی ہی ختم کردی جائے تاکہ ہر قسم کی مادر پدر آزادی (بنام آزادانہ تلاش و تحقیق) پر کوئی سیاسی، اخلاقی یا ضمیر کی قدغن نہ رہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ دنیا کی ایک سپر طاقت نے پہلے ہی "ایک نیا عالمی نظام" نافذ

کر رکھا ہے، اور وہ اس کے استحکام میں شدت سے متحرک ہے۔ اس عمل میں "تمام قوموں کے منتخب نمائندوں پر مشتمل" عالمی اقوام متحدہ اگر ممد و معاون ہے تو سبحان اللہ، ورنہ اس کی حیثیت بھی پرِ کاہ تک کے برابر نہیں، اور کس کو جرأت ہے کہ پر بھی مار سکے، کیا نمرود یا فرعون آسمان سے اترے تھے؟ غالبؔ نے تو محض شعر ہی میں کہا تھا ؂

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی!
بندگی میں مِرا بھلا نہ ہُوا

دورِ قدیم کے نمرود و فرعون تو آج کے فرعونوں کے مقابلے میں بہت ہی بَونے نظر آتے ہیں، کہ ان کا اقتدار، ان کے موجودہ جانشینوں کی طرح تمام کرۂ ارضی پر محیط نہیں تھا، جب اُن کی بندگی میں کسی کو بھلائی نہیں ملی تو آپ اِن سے کس خیر کی توقع رکھتے ہیں، وہ لوگوں کو انفرادی طور پر مارتے یا جَلا دیتے تھے، آج یہی عمل اجتماعی طور پر ہو رہا ہے، بلکہ دورِ حاضر کے نمرودوں اور فرعونوں کو دجّال کہنا زیادہ موزوں ہو گا، جو چشمِ زدن میں دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچ جاتے ہیں اور ہر ایک کی پیشانی پر یہ مہر لگاتے جاتے ہیں کہ وہ آج سے ان کے "یک عالمی نظام" کا اسیر ہے۔

کہا جاتا ہے کہ دجّال کانا ہو گا، اور وہ سب کو "ایک" آنکھ یعنی اپنے مفاد کی روشنی میں دیکھے گا۔ کیا یہ اُس "یک عالمی نظام" کی طرف تو اشارہ نہیں جس میں ایک ملک ہی حاکم ہو، سب کی ایک زبان اور ایک رسم الخط ہو؟ بھارت میں بھی کچھ اسی قسم کی ایکتا کی بات چل رہی ہے، یعنی ایک ملک، ایک قوم، ایک زبان اور ایک ہی دھرم ہو، کوئی مسلمان، عیسائی یا بہائی نہ رہے اور اس مرکب کا نام "ہندُوتا" ہے۔

تاہم دجّال بالآخر جہنم واصل ہو گا، اور یہ اعزاز پیش گوئیوں کے ماتحت حضرت مسیح ؑ کو، جو رسولِ اکرمؐ کے ایک سپاہی کی حیثیت سے لڑیں گے، حاصل ہو گا، دوسرے معنی میں امتِ مسلمہ ہی ان فرعونوں کے اقتدار کے خاتمے کا باعث ہو گی۔ اس لئے یہ

ادنیٰ تصرف ۔

" وہ" کھٹکتی ہے دلِ "یزداں" میں کانٹے کی طرح

موضوع بہت تفصیل طلب ہے، لیکن یہاں اس کا محل ہے نہ گنجائش ۔

بقدرِ شوق نہیں، ظرف تنگنائے غزل
کچھ اور چاہیے وسعت مرے بیاں کے لئے

اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

سیاسی منشور

۱۱۔ "انتہائی غربت اور انتہائی امارت کا قلع قمع کیا جائے"۔

نہایت ہی نیک جذبہ ہے۔ لیکن زبان اور رسم الخط سے محروم کر کے کتنی نسلوں کی قربانی دینے کا خیال ہے جس کے بعد یہ موہوم منزل آسکے گی! اور آئے گی بھی یا نہیں، یا ترقی یافتہ اقوام کی (جن کی زبان اور رسم الخط مرتبین کے پیشِ نظر ہے اور جن کے ہاتھ میں وہ "فیصلوں" کے نفاذ کا ڈنڈا دینا چاہتے ہیں) غلامی کا پٹہ اور تنگ ہو جائے گا؟

آپ نے یہ رہنمائی تو فرمائی ہی نہیں کہ اس "انتہائی غربت اور انتہائی امارت" کا خاتمہ کون کرے گا، کیا وہی عالمی نظام جو اس کا بانی ہے؟ جس کی تمام غریب اور ترقی پذیر اقوام نخچیر ہیں؟ جس نے بنکوں، مالیاتی اداروں اور دیگر خوشنما ناموں والے جالوں میں سب کو جکڑ رکھا ہے اور کسی کی مجال نہیں کہ دم مار سکے، وہ جتنا ہی ہاتھ پاؤں مارتا ہے، مکڑی کے جالے کی طرح گرفت اور مضبوط ہوتی جاتی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے نقاط کا اتحاد و محبت، عدل و مساوات یا امن و امان

سے کوئی رشتہ استوار ہوتا ہُوا کہیں نظر نہیں آتا، حتیٰ کہ خدا اور دین کی باتیں بھی برائے وزنِ بیت کی گئی ہیں، کیونکہ آپ دین کو ممکنہ طور پر نفرت و عداوت کا سبب بھی سمجھتے ہیں، اور اس صورت میں بے دینی کو بہتر خیال کرتے ہیں، اس کے برعکس یہ ایک ایسی موقع پرست سیاسی جماعت کا منشور معلوم ہوتا ہے جو "روٹی، کپڑا، مکان" اور ان جیسے سستے نعروں کے ذریعے نوجوان، منتشر الخیال اور پراگندہ ذہن لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرکے ان طاقتوں کے مذموم مقاصد کے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرنا چاہتی ہے، جو فی الواقع "ایک عالمی نظام"، ایک پالیسی، ایک زبان یعنی انگریزی، ایک کلچر یعنی مغربی عریانیت کا کلچر، اور ذہنی بے راہ روی کو فروغ دینا چاہتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کے بالعموم اور پاکستانیوں کے بالخصوص اللہ، اس کے رسولؐ کے ساتھ رشتے اور اُس کے دین کے مظاہر کو کمزور کردیں۔ وہ پہلے ہی کمیونزم کے انہدام کے بعد اسلام کو اپنا دشمن نمبر ایک گردان چکے ہیں، اور اب مختلف حیلوں، بہانوں اور مکروفریب سے بھرپور دلیلوں کے ذریعے ان کے ایمان و یقین میں نقب لگانے کے درپے ہیں۔ کسی "دینی جماعت" کو، خواہ وہ بہائی ہی کیوں نہ ہوں، یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ اصلاح و تبلیغ کے خوشنما نعروں کے پس پردہ ایسے مذموم مقاصد کے حصول میں استحصالی ممالک کے لئے گماشتے کا کردار ادا کرے۔

ہدایت کے لئے خدا کی محتاجی

۱۲۔ "انسان خواہ کتنی ہی مادی ترقی کرلے وہ ہمیشہ خدائی ہدایت و راہنمائی کا محتاج رہے گا"۔

خدائی ہدایت کی محتاجی کا اعتراف ہی اس امر کی دلیل ہے کہ علم و عقل کی متاع ابھی ناقص و تنگ دست ہے، اور جب تک اس خالق مطلق علیم و حکیم اور سمیع و بصیر کی طرف سے کتاب و حکمت کی تعلیم اور اس کی وحی کے حامل کی ذات میں نمونۂ کامل میسر نہ ہوگا، نوعِ انسانی بھٹکتی رہے گی، پھر یہ تسلیم کرلینے کے بعد آپ کس منہ سے یہ

فرماتے ہیں کہ "دین کو علم و عقل کے مطابق ہونا چاہیئے" (آپ کا نقطہ نمبر ۴ ص ۳۲)۔

تو کیا آپ "خدائی ہدایت" یعنی منشائے ربانی اور وحیِ الٰہی کو نعوذ باللہ پابند کردیں گے کہ وہ آپ کے علم و عقل کی تابع رہے؟

ظاہر ہے یہ پراگندہ خیالی اور انتشارِ فکری قرآنِ کریم کے سرچشمہ ءہدایت اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت سے برگشتگی کی پاداش ہے۔ ہدایت کی طلب اور علم و عمل کی نمو کا تقاضا ہے کہ اِدھر اُدھر بھٹکنے کی بجائے وحیِ الٰہی اور رسولِ اکرمؐ کے دامنِ عافیت سے وابستگی اختیار کی جائے، یعنی۔

پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

بہائی برادران گرامی! آپ کے ذہن اور فہم کا تضاد صرف اسی وقت دور ہوگا جب آزادانہ اور رضاکارانہ طور پر، اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑیں گے۔ اسی کو خدائے واحد مانیں گے۔ اگر ایسا ہوگا تو اگلا قدم یہ ہے کہ اس کا رسولؐ بھی ایک ہے۔ کتاب بھی ایک ہے۔ جب ایسا ہوگا تو ہم سب کی فکر بھی ایک ہی محور کے گرد گردش کرے گی، اصول ایک سے ہوں گے روحانی زبان ایک ہوگی، اقدار و اخلاقیات کا رسم الخط اور لین دین اور معاملات کے پیمانے ایک سے ہوں گے۔ نفع و نقصان بھی مشترکہ ہوگا اور وہی اتحاد ہوگا جس کی "روشنی اس قدر تیز ہے کہ تمام کائنات کو منور کرسکتی ہے"۔

میں آپ کو اسی نورِ مبین سے اپنا چراغِ قلب و روح روشن کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔

مخلص

ابوالامتیاز، ع۔ س۔ مسلم

بشرف ملاحظہ بہائی کمیونٹی، پاکستان
پوسٹ بکس ۹۹۸ جی پی او، لاہور
پوسٹ بکس ۷۴۲۰ کراچی۔ ۳

(۳۱ مارچ ۱۹۹۶ء)

وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوۡلَہٗ وَیَخۡشَ اللّٰہَ وَیَتَّقۡہِ فَاُولٰٓئِکَ
ھُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ ۝ (۲۴-النور-۵۲)

اور جو بھی اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرے گا، اور اللہ سے ڈرتا رہے گا اور اُس (کی نافرمانی اور عقائدِ کفر سے) بچتا رہے گا، تو بس ایسے ہی لوگ کامیاب و بامراد ہوں گے۔

وَمَا عَلَیۡنَآ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ۝ (۳۶-یٰسین-۱۷)

اور ہمارے ذمہ تو پیغام کو کھول کر (واضح طور پر) پہنچا دینا ہی ہے۔

کتابیات

۱- بہائیت کی کہانی - "روسی جاسوس کی زبانی" (بمع مضمون مجتبیٰ سلطان جو بطور مقدمہ شامل ہے) ناشر: الحرمین پبلشرز کراچی۔ یہ سرگزشت بہ قول مترجم سید ذوالفقار علی زیدی روسی وزارتِ خارجہ کے ترجمان مجلّہ "شرق" کے اگست ۱۹۲۴ء کے شمارے سے ترجمہ ہے۔

۲- "سوانح علی محمد باب" مصنفہ میری پرکنز، مترجم ڈاکٹر صابر آفاقی، ناشر: "ادبیات"، مظفر آباد۔ کتاب پر مطبوعہ تفصیل کے مطابق ڈاکٹر صاحب تحقیق اور شاعری کی بیس (۲۰) کتب کے مصنف اور مزید چھ (۶) کتابوں کے مترجم ہیں۔ ان کے دو شعری مجموعوں کے نام "ثنائے بہاء" اور "یا عبدالبہاء" ہیں جن کو "ثنائیت" یعنی حمد و ثنا سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ایک نثری کتاب "علی محمد باب - سوانح" ترجمہ ہے۔

۳- "حضرت بہاء اللہ" ناشر: بہائی پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی

حوالے

حوالہ ۱	سوانح علی محمد باب	صفحہ ۱	حوالہ ۲	بہائیت کی کہانی	صفحہ ۸
۳	بہائیت کی کہانی	۲۴	۴	بہائیت کی کہانی	۳۵
۵	بہائیت کی کہانی	۵۱	۶	بہائیت کی کہانی	۲۴
۷	بہائیت کی کہانی	۴۵	۸	بہائیت کی کہانی	۴۶

۹ بہائیت کی کہانی ۴۷
۱۰ بہائیت کی کہانی ۴۷
۱۱ سوانح علی محمد باب ۶
۱۲ سوانح علی محمد باب ۶
۱۳ بہائیت کی کہانی ۵۲
۱۴ بہائیت کی کہانی ۵۳
۱۵ سوانح علی محمد باب ۸
۱۶ سوانح علی محمد باب ۸
۱۷ سوانح علی محمد باب ۴
۱۸ سوانح علی محمد باب ۹
۱۹ سوانح علی محمد باب ۹
۲۰ سوانح علی محمد باب ۸
۲۱ سوانح علی محمد باب ۱۰
۲۲ سوانح علی محمد باب ۱۱
۲۳ بہائیت کی کہانی ۴۱
۲۴ بہائیت کی کہانی ۵۵
۲۵ سوانح علی محمد باب ۷۲
۲۶ سوانح علی محمد باب ۶۷
۲۷ بہائیت کی کہانی (توبہ نامہ) ۶۱
۲۸ بہائیت کی کہانی ۵۶
۲۹ بہائیت کی کہانی ۵۶
۳۰ سوانح علی محمد باب ۱۴۹
۳۱ سوانح علی محمد باب ۱۵۰
۳۲ بہائیت کی کہانی ۵۸
۳۳ بہائیت کی کہانی ۹
۳۴ بہائیت کی کہانی ۹
۳۵ بہاء اللہ ۸
۳۶ بہائیت کی کہانی ۱۰
۳۷ بہاء اللہ ۸
۳۸ بہائیت کی کہانی ۳۷
۳۹ بہائیت کی کہانی ۵۹
۴۰ بہائیت کی کہانی ۵۷
۴۱ بہائیت کی کہانی ۵۹
۴۲ بہاء اللہ ۱
۴۳ بہاء اللہ ۳
۴۴ بہاء اللہ ۷
۴۵ بہائیت کی کہانی ۱۱
۴۶ بہاء اللہ ۱
۴۷ بہاء اللہ ۱۵
۴۸ بہائیت کی کہانی ۱۱
۴۹ بہائیت کی کہانی ۱۵
۵۰ سوانح علی محمد باب ۱۵۰
۵۱ بہائیت کی کہانی ۱۱
۵۲ بہائیت کی کہانی ۱۱
۵۳ بہائیت کی کہانی ۱۲
۵۴ بہائیت کی کہانی ۱۲
۵۵ بہائیت کی کہانی ۱۲
۵۶ بہاء اللہ ابتدائیہ
۵۷ بہائیت کی کہانی ۱۳
۵۸ "قادیانی مذہب کا علمی محاسبہ" مولفہ پروفیسر الیاس برنی، حوالہ ۶۶ تا ۶۸،
بحوالہ خطوط امام بنام غلام صفحہ ۵، مجموعہ مکتوبات مرزا غلام احمد قادیانی
بنام حکیم محمد حسین قریشی قادیانی و دیگر ۱۲۶

ابوالامتیاز ع س مسلم کی تصانیف

ایک ٹہنی کے پھول	(افسانے)	۱۹۵۶ء
اوس اور کرنیں	(غزلیں، نظمیں، گیت)	۱۹۶۲ء
حمد و نعت	(حمدیں، مناجاتیں، نعتیں)	۱۹۸۴ء
کاروانِ حرم	(مثنوی مسلم)	۱۹۸۷ء
اللہ و رسولؐ	(حمدیں، نعتیں، منقبت)	۱۹۹۳ء
کعبہ و طیبہ	(فریادیں، حمدیں، نعتیں، ترانہ)	۱۹۹۳ء
زمزمہ سلام	(ردیف وار)	۱۹۹۳ء
زمزمہ درود	(ردیف وار)	۱۹۹۳ء
برگِ تر	(نظمیں، گیت، دوہے)	۱۹۹۷ء
نیشِ گل	(غزلیں)	۱۹۹۷ء
پاکستان میں ذہنی پسماندگی	(انگریزی)	۱۹۹۳ء
پاکستان میں ذہنی پسماندگی	(اردو)	۲۰۰۰ء
سرودِ نعت	(مضامین و مکالمات)	۲۰۰۰ء
واگاں مئیں ول موڑ	(پنجابی حمدیں، نعتیں)	۲۰۰۰ء
کشورِ کسریٰ تا سونا دیس	(سفرنامے)	۲۰۰۰ء
اہانتِ رسولؐ اور آزادیِ اظہار	(مباحث)	۲۰۰۰ء
صریرِ خیال	(مضامین و مباحث)	

ہماری کتابوں کا امتیازی سلسلہ

(بچوں اور طالب علموں کے لئے)

ہمارا دین	بنیادی عقائد	(نظم)
ہماری تعلیم	اسلامی و ملی تعلیمات	(نظم)
ہماری ہدایت	آدمؑ تا رسول کریمؐ	(نثر)
ہماری ملت	قومی و ملی وحدت	(نظم)

زیرِ طبع

ہمارا پاکستان	تعمیر کردار و حبِ وطن	(نظم)
ہم پاکستانی بچے	تعمیر اخلاق و حبِ وطن	(نظم)
ہماری سائنس	علم و ایجادات	(نظم)

ہماری لوریاں اور جھولے ماؤں بہنوں کے لئے (نظم)

ہمارے گیت ماؤں، بہنوں اور بچوں کے لئے (نظم)

ہم پھول اس آنگن کے ننھے لاڈلوں کے لئے (نظم)

شاعر لوحِ شیشہ دل (ع س مسلم)
ڈاکٹر طاہر تونسوی

"ابوالامتیاز ع س مسلم - شخصیت و فن"
(مقالہ برائے ایم اے) شازیہ نورین خان
اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور

ابوالامتیاز ع س مسلم

دریائے ستلج کے کنارے واقع ضلع جالندھر کے ایک دُور افتادہ گاؤں لوہگڑھ میں ۲۷ - چیت سمت ۱۹۷۹ب مطابق ۲۳-۱۹۲۲ء کو پیدا ہوئے۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد ۱۹۴۲ء میں کراچی میں محنت مزدوری اور بعدازاں سرکاری ملازمت سے عملی زندگی کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۸ء میں شعبۂ تجارت سے اولاً بطور ملازم اور بعد میں بطور مالک منسلک ہوگئے، جس میں اللہ تعالیٰ نے انہیں کامیاب و کامران کیا۔

گھر میں دینی ماحول کی وجہ سے کم عمری ہی سے دینی و ادبی مطالعے کا شوق تھا۔ وسیع مطالعے نے شعروادب کے مَیلان کو جلا بخشی۔ وہ نظم و نثر پر یکساں عبور رکھتے ہیں، اور ۱۷ مختلف الموضوع کتب کے جن میں سات حمد و نعت کے مجموعے ہیں، مصنف ہیں۔ بچوں کے لئے دس عدد کتب اس کے علاوہ ہیں۔ ۶ سال ماہنامہ "نیا راہی" کے بانی و مدیر اور مکتبہ نیا راہی کے مہتمم رہے، جس نے اعلیٰ پائے کی متعدد کتب شائع کیں۔

تعلیمی زمانے سے ہی وہ خدمتِ خلق اور تحریک پاکستان میں نہایت سرگرم اور فعال رہے ہیں۔ وہ پاکستان میں ذہنی پسماندہ بچوں کی تعلیم و تربیت (سائنوسا) کے بانی ہیں، اور اس میدان میں ۴۰ سال سے بے مثال خدمات انجام دے رہے ہیں۔ ۱۹۸۵ء میں انہوں نے "رحمت وقف" قائم کیا۔ جس کے زیرِ اہتمام خدمتِ خلق کے دیگر بہت سے کاموں کے علاوہ ایک رفاہی کلینک "عیادتِ رحمت" کے نام سے قائم ہے۔

- مولانا ابوالحسن ندوی اُن کے بارے تحریر فرماتے ہیں: "اُن کے یہاں توحید و رسالت کا فرق نمایاں طور پر موجود ہے، عقیدت کے ساتھ عقیدہ کا ہوش بھی ہے" (کعبہ و طیبہ)۔

- ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی پروفیسر ایمی ریٹس جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ، لکھتے ہیں: "اُن کی فکر "قدسی الاصل" ہے۔ اُن کا موضوع آسمان کی رفعتوں سے بلند، زمین کی پہنائیوں سے وسیع، دریاؤں کے بہاؤ سے زیادہ سخی اور آفتاب و ماہتاب کی روشنی سے زیادہ تابناک ہے، یعنی اُن کا موضوعِ سخن محسنِ انسانیت، فخرِ دودمانِ شریعت، آبروئے دوسرا، صدر جریدہ انبیاءؑ محمد بن عبداللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے" (کاروانِ حرم)۔

- مولانا عبدالمالک خطاط جامعی، صدر، مدارسِ اوقاف، حکومتِ سعودی عرب، مدینہ منورہ فرماتے ہیں کہ: "اَلسَّفرُ بِفتاحُ الظفر" کی شان میں آپ کو جو انشراحِ قلب ہوا ہے، اور اس کی جہاں پیمائی جس طرح فرش سے عرش تک پہنچی ہے، وہ اردو ادب میں تو مفقود ہے ہی، میں تو سمجھتا ہوں، فارسی اور عربی ادب میں بھی اِس کی مثال موجود نہیں (شاعر لوحِ شیشہءِ دل)۔

"اہانتِ رسولؐ اور آزادیِ اظہار" ایک مباحثہ اور "فاضلانہ تحقیق" ہے جو انہوں نے "دریدہ دہن منافقوں کے رد میں" پیش کی ہے، اور "مختلف واقعات و روایات سے ثابت کرکے دکھلایا ہے کہ اہانتِ رسولؐ کا مرتکب دراصل پوری ملتِ اسلامیہ کا دشمن اور بدگو ہے"۔

کمپیوٹر ڈیزائننگ و خطاطی محمد ابوبکر صدیق خطاط : فریئر مارکیٹ کراچی 7768820